تعلیم و تربیت
جنوری 2014ء
2014
سالِ نو مبارک
عیدِ میلاد النبی ﷺ مبارک
www.paksociety.com

2014

تعلیم و تربیت

JANUARY

SUN	MON	TUE	WED	THU	FRI	SAT
			1	2	3	4
5	6	7	8	9	10	11
12	13	14	15	16	17	18
19	20	21	22	23	24	25
26	27	28	29	30	31	

FEBRUARY

SUN	MON	TUE	WED	THU	FRI	SAT
						1
2	3	4	5	6	7	8
9	10	11	12	13	14	15
16	17	18	19	20	21	22
23	24	25	26	27	28	

MARCH

SUN	MON	TUE	WED	THU	FRI	SAT
						1
2	3	4	5	6	7	8
9	10	11	12	13	14	15
16	17	18	19	20	21	22
23	24	25	26	27	28	29
30	31					

APRIL

SUN	MON	TUE	WED	THU	FRI	SAT
		1	2	3	4	5
6	7	8	9	10	11	12
13	14	15	16	17	18	19
20	21	22	23	24	25	26
27	28	29	30			

MAY

SUN	MON	TUE	WED	THU	FRI	SAT
				1	2	3
4	5	6	7	8	9	10
11	12	13	14	15	16	17
18	19	20	21	22	23	24
25	26	27	28	29	30	31

JUNE

SUN	MON	TUE	WED	THU	FRI	SAT
1	2	3	4	5	6	7
8	9	10	11	12	13	14
15	16	17	18	19	20	21
22	23	24	25	26	27	28
29	30					

JULY

SUN	MON	TUE	WED	THU	FRI	SAT
		1	2	3	4	5
6	7	8	9	10	11	12
13	14	15	16	17	18	19
20	21	22	23	24	25	26
27	28	29	30	31		

AUGUST

SUN	MON	TUE	WED	THU	FRI	SAT
					1	2
3	4	5	6	7	8	9
10	11	12	13	14	15	16
17	18	19	20	21	22	23
24	25	26	27	28	29	30
31						

SEPTEMBER

SUN	MON	TUE	WED	THU	FRI	SAT
	1	2	3	4	5	6
7	8	9	10	11	12	13
14	15	16	17	18	19	20
21	22	23	24	25	26	27
28	29	30				

OCTOBER

SUN	MON	TUE	WED	THU	FRI	SAT
			1	2	3	4
5	6	7	8	9	10	11
12	13	14	15	16	17	18
19	20	21	22	23	24	25
26	27	28	29	30	31	

NOVEMBER

SUN	MON	TUE	WED	THU	FRI	SAT
						1
2	3	4	5	6	7	8
9	10	11	12	13	14	15
16	17	18	19	20	21	22
23	24	25	26	27	28	29
30						

DECEMBER

SUN	MON	TUE	WED	THU	FRI	SAT
	1	2	3	4	5	6
7	8	9	10	11	12	13
14	15	16	17	18	19	20
21	22	23	24	25	26	27
28	29	30	31			

حمد باری تعالیٰ

اے بادشاہوں کے بادشاہ تیری بادشاہی عظیم ہے
تو جمیل ہے تو جلیل ہے تو رحیم ہے تو کریم ہے

تیری بخششوں کے طفیل مجھ کو ملیں دین و دنیا کی نعمتیں
مری مشکلوں میں کام آئیں تیری نصرتیں تیری رحمتیں

میں جو ظلمتوں میں گھرا کبھی ترے ذکر سے ملی روشنی
تری بندگی نے عطا کیا مجھے اک سلیقۂ زندگی

مجھے تیری عطاؤں کی آس ہے تجھے میری دعاؤں کا پاس ہے
تیری بخششوں کی یہ انتہا ہے جو ماورائے قیاس ہے

نہیں اس کا کوئی بدل ضیاؔء جو سکوں ملا ترے پیار میں
بڑا شادماں ہوں کہ آ گیا تیری رحمتوں کے حصار میں

محمد شرافت علی ضیاء

نعت رسول مقبولؐ

کیوں پوچھتے ہو حسن چمن، کس کی وجہ سے ہے
سارے جہاں کا حسن، دم مصطفیٰؐ سے ہے

انوار مصطفیٰؐ سے منور ہیں سب جہان
اس روشنی کا واسطہ غار حرا سے ہے

کوہ سار، صحرا، چاند ستارے، شفق کے رنگ
جو کچھ بھی اس جہاں میں ہے اس کی رضا سے ہے

پھولوں میں رنگ تیرے ہیں، مہکار تیری ہے
گلشن کی اک اک ادا تیری ادا سے ہے

ہم پہ بھی کچھ حضورؐ کی رحمت کا ہو کرم
نسبت ہمیں بھی آپؐ کی کالی ردا سے ہے

مرنے سے پیشتر میرے کلمہ زباں پہ ہو
اتنی سی التجا مری محبوب خدا سے ہے

ہے آرزو کہ آپؐ کے قدموں میں سر رہے
ہم کو ریاضؔ عشق اسی خاک پا سے ہے

سید ریاض گیلانی

پاکستان میں سب سے زیادہ پڑھا جانے والا
بچوں کا محبوب رسالہ

تعلیم و تربیت

جنوری 2014ء

73واں سال نوواں شمارہ | رکن آل پاکستان نیوز پیپرز سوسائٹی

اس شمارے میں

اور بہت سے دل چسپ تراشے اور سلسلے

سرورق: عید میلاد النبیؐ اور نیا سال مبارک

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ!

تعلیم و تربیت کے تمام ساتھیوں کو عید میلاد النبیؐ اور نیا عیسوی سال مبارک ہو۔ اللہ کرے یہ سال آپ کے دامن میں ڈھیر ساری خوشیاں لے کر آئے اور پوری دنیا کے انسانوں کے لیے امن، خوشی اور خوش حالی کا سال ثابت ہو۔

پیارے بچو! ایک خوش اخلاق اور شیریں زبان شخص شہد فروخت کیا کرتا تھا۔ اس دوہری شیرینی کے باعث لوگ اس کے گرد یوں جمع ہو جاتے تھے جس طرح مکھیاں شہد پر اکٹھی ہو جاتی ہیں۔ اس کا سارا سودا دیکھتے ہی دیکھتے بک جاتا تھا۔

حاسد اس کی خوش حالی اور مقبولیت کی وجہ سے انگاروں پر لوٹتے تھے اور ہر وقت اس فکر میں رہتے تھے کہ کس طرح اس کی مقبولیت کم ہو۔ آخر وہ اپنی اس ناپاک کوشش میں کامیاب ہو گئے۔ انہوں نے ایسی سازش کی کہ شہد فروش کی خوش کلامی اور خوش اخلاقی غصے اور درشت روی میں بدل گئی۔ اب جو گاہک بھی اس سے بات کرتا وہ اس کے ساتھ لڑتا اور بک بک جھک جھک کرتا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اس کے سارے گاہک ٹوٹ گئے اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ جب وہ بازار میں آتا تو اس کے پاس صرف مکھیوں کا مجمع ہی ہوتا۔ ایک گاہک بھی پاس نہ پھٹکتا۔

مال فروخت نہ ہونے کی وجہ سے نوبت فاقوں تک پہنچی تو ایک دن وہ اپنی بیوی سے کہنے لگا، معلوم نہیں خدا ہم سے کیوں ناراض ہو گیا ہے۔ سارا سارا دن بازار میں بیٹھا رہتا ہوں لیکن ایک تولہ شہد فروخت نہیں ہوتا۔ بیوی نے جواب دیا، خدا تو پہلے کی طرح مہربان ہے۔ فرق تمہارے اخلاق اور رویے میں آ گیا ہے۔ پہلے تم اپنی شیریں گفتاری اور حسن اخلاق سے لوگوں کے دل موہ لیتے تھے، ہر شخص تم سے بات کر کے خوش ہوتا تھا اور دوسرے شہد فروشوں کو چھوڑ کر تم سے شہد خریدتا تھا۔ اب تمہاری تلخ گفتاری نے لوگوں کے دلوں میں نفرت پیدا کر دی ہے۔ انہیں تمہارا شہد بھی کڑوا معلوم ہوتا ہے۔

جو انسان حسن معاملہ کے ساتھ حسن اخلاق کو بھی اپنائے گا لوگ اس کے گرویدہ ہو جائیں گے۔ بصورت دیگر اس کا چلا چلایا کام بھی ٹھپ ہو جائے گا۔

گزشتہ سال ناول "نیلی روشنی کا راز" آپ نے پڑھا اور پسند بھی کیا۔ یہ ناول اب اپنے اختتام کو پہنچ گیا ہے۔ اگلے ماہ نیا ناول شروع کیا جائے گا۔ اس سلسلے میں آپ کی آراء اور پسند کو بھی مدنظر رکھا جائے گا۔

اب اس ماہ کا رسالہ پڑھیے اور اپنی آراء اور تجاویز سے آگاہ کیجیے۔ خوش رہیں، شاد رہیں اور آباد رہیں۔

فی امان اللہ! (ایڈیٹر)

چیف ایڈیٹر	ایڈیٹر، پبلشر	اسسٹنٹ ایڈیٹر	مشیر	سرکولیشن اسسٹنٹ
عبد السلام	ظہیر سلام	عابدہ اصغر	سعید لخت	محمد بشیر راہی

سالانہ خریدار بننے کے لیے سال بھر کے شماروں کی قیمت پیشگی بنک ڈرافٹ یا منی آرڈر کی صورت میں سرکولیشن منیجر: ماہنامہ "تعلیم و تربیت" 32۔ ایمپریس روڈ، لاہور کے پتے پر ارسال فرمائیں۔
فون: 36361309-36361310 فیکس: 36278816

پرنٹر: ظہیر سلام
مطبوعہ فیروز سنز (پرائیویٹ) لمیٹڈ، لاہور۔
سرکولیشن اور اکاؤنٹس: 60 شاہراہ قائداعظم، لاہور۔

خط و کتابت کا پتا
ماہنامہ تعلیم و تربیت 32۔ ایمپریس روڈ، لاہور۔
UAN: 042-111 62 62 62 Fax: 042-36278816
E-mail:tot.tarbiatfs@gmail.com
tot tarbiatfs@live com

پاکستان میں (بذریعہ رجسٹرڈ ڈاک)= 500 روپے۔
مشرق وسطی (ہوائی ڈاک سے)= 2000 روپے۔
ایشیاء، افریقا، یورپ (ہوائی ڈاک سے)= 2000 روپے۔
امریکا، کینیڈا، آسٹریلیا، مشرق بعید (ہوائی ڈاک سے)= 2000 روپے۔

قیمت فی پرچہ 25 روپے

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ”اور (اے پیغمبر!) ہم نے تمہیں سارے جہانوں کے لیے رحمت ہی رحمت بنا کر بھیجا ہے“۔

(الانبیاء، آیت: 107)

ایک حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”بے شک اللہ تعالیٰ نے مجھے سارے جہانوں کے لیے رحمت اور ہدایت بنا کر بھیجا ہے۔“ (مسند احمد، تتمہ مسند الانصار 22218)

پیارے بچو! نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم رحمۃ للعالمین ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف لانے سے پہلے ساری دنیا کفر و شرک کی وجہ سے تباہی کے دھانے پر کھڑی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف لانے سے دنیا میں ایمان کی ہوا چلی، توحید کی روشنی پھیلی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو حق کی طرف بلایا اور ہدایت کا راستہ دکھایا۔ اس وقت سے لے کر آج تک کروڑوں انسان اور جنات ہدایت پا چکے ہیں۔ جب تک دنیا میں ایمان والے رہیں گے قیامت نہیں آئے گی۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایمان اور نیک اعمال کی دعوت دی جس کی وجہ سے دنیا میں اللہ تعالیٰ کی رحمت متوجہ ہوتی ہے اور آخرت میں بھی ایمان والوں اور نیک کام کرنے والوں کے لیے رحمت ہوگی۔ جیسا کہ نابینا آدمی کو آفتاب کے طلوع ہونے سے روشنی کا فائدہ نہیں ہوتا اسی طرح جو لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہیں لاتے انہوں نے اس رحمت سے فائدہ نہیں اٹھایا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد سے پہلے سابقہ امتیں جب اسلام قبول نہیں کرتی تھیں تو ان پر عذاب آجاتا تھا اور نبی کی موجودگی میں ہی امت ہلاک کر دی جاتی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دونوں جہان والوں کے لیے رحمت ہونا اس بات سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ عام طور پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ ماننے والے سبھی کافر ہلاک ہوجائیں ایسا نہیں ہوگا۔ البتہ آخرت میں کافروں کو کفر کی وجہ سے عذاب ہوگا۔

اسی طرح دنیا میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کیسی کیسی تکلیفیں دیں گئیں اور کس کس طرح ستایا گیا مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ ستانے والوں اور تکلیف دینے والوں سے رحمت ہی کا برتاؤ کیا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے برتر اخلاق میں بھی ہمیشہ رحمت اور شفقت ہی جھلکتی تھی۔

اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اہل خانہ پر بھی بے حد شفقت فرماتے تھے اور ان کے ساتھ مہربانی سے پیش آتے تھے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں بھی اس بات کی تعلیم دی ہے کہ ہم رحمت، مہربانی اور درگذر کا معاملہ کریں۔ چناں چہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ”رحم کرنے والوں پر خدائے رحمٰن رحم فرماتا ہے۔ تم زمین والوں پر رحم کرو آسمان والا تم پر رحم فرمائے گا۔“ (ابو داؤد، کتاب الادب، باب فی الرحمۃ: 4941)

ایک حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ”وہ شخص ہم میں سے نہیں جو ہمارے چھوٹوں پر رحم نہ کرے اور ہمارے بڑوں کی عزت نہ کرے اور اچھی باتوں کا حکم نہ کرے اور برائیوں سے نہ روکے۔“ (ترمذی، ابواب البر والصلۃ: 1921)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے خادموں کے ساتھ بھی بہت خوش اخلاقی سے پیش آتے تھے۔ کبھی کسی سے سرزنش اور سختی سے پیش نہ آتے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑوسیوں کے ساتھ بھی حسن سلوک کی تعلیم دی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے اس پروردگار کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے کہ کوئی مسلمان، مسلمان نہیں ہے جب تک کہ وہ اپنے ہمسائے کے لیے بھلائی نہ چاہے جو اپنے لیے چاہتا ہے۔

نبی کریمؐ کی خوش طبعی

رانا محمد شاہد

نبی رحمت حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ساری زندگی ہمارے سامنے ایک کھلی کتاب کی مانند ہے۔ اللہ تعالیٰ کا پیغام ساری انسانیت تک پہنچانے کے لیے آپؐ نے لوگوں کے عجیب وغریب رویوں کے باوجود کسی بھی موقع پر تلخی سے بات نہ کی۔ برداشت، تحمل مزاجی اور مسکراہٹ آپؐ کے اوصاف حمیدہ ہیں، جن سے آج انسانیت محروم ہوتی جا رہی ہے۔ آپؐ نے مزاح میں بھی متانت کو مدنظر رکھا اور کبھی قہقہہ لگا کر نہیں ہنسے بلکہ صرف مسکراتے تھے۔

آپؐ ایک ہنس مکھ اور خوش مزاج طبیعت رکھتے تھے۔ چہرے پر کبھی بھی درشتی و کرختگی ہرگز نہیں ہوتی تھی۔ اپنے گھر والوں، اپنے ساتھیوں اور چھوٹے بچوں سے ہلکا پھلکا مذاق بھی فرمایا کرتے تھے۔ آپؐ کے صحابہؓ آپس میں بھائیوں کی طرح رہتے اور وہ بھی ایک دوسرے سے دل لگی اور مذاق بھی فرمایا کرتے تھے لیکن آپؐ اور صحابہؓ کے مذاق کی چند خاص باتیں تھیں۔ پہلی یہ کہ آپؐ ایسا مذاق نہیں کرتے تھے جس سے کسی کی دل آزاری ہو یا وہ دوسروں کی نظر میں گر جائے۔ دوسرا آپؐ مذاق میں بھی جھوٹ نہیں بولتے تھے، ہمیشہ سچی بات کہتے تھے۔ آپؐ کی سچی باتیں ہی اتنی پُرلطف ہوتی تھیں کہ ہنسنے والا لطف لیے بغیر نہ رہتا۔ اس کے ساتھ ساتھ آپؐ کے مذاق میں ایسی کوئی بات نہیں ہوتی تھی جو اخلاق کے خلاف ہو۔

ایک بار کسی نے حضرت عائشہؓ سے دریافت کیا۔ ”پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کبھی کبھی مزاح بھی فرماتے تھے؟“ آپؓ نے فرمایا: ”ہاں! لیکن ہر کسی کے ساتھ نہیں بلکہ مخاطب کی حیثیت کے مطابق ایسا فرماتے تھے۔“ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ لوگوں نے پوچھا: ”یا رسول اللہؐ! کیا آپؐ مزاح فرماتے ہیں؟“ نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”یقیناً مگر میں سچی بات کہتا ہوں۔“

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبوب زوجہ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ سفر کر رہی تھی، تب نئی نئی شادی ہوئی تھی۔ ہمارے قافلے میں کچھ اور صحابہؓ بھی تھے۔ ایک جگہ پہنچے تو رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ کو فرمایا: ”تم آگے نکل جاؤ!“ جب وہ کچھ فاصلے پر دور نکل

گئے تو سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے فرمایا: ''عائشہ! آؤ دوڑ لگاتے ہیں، دیکھتے ہیں کون آگے نکلتا ہے؟'' میں اور آپؐ دوڑے اور کم عمری کی وجہ سے میں آگے نکل گئی۔ آپؐ نے اس موقع پر خاموشی اختیار کی۔ پھر کچھ سال گزر گئے، میرا وزن بڑھ گیا۔ پھر ایک سفر میں آپؐ نے مجھے دوڑ لگانے کے مقابلے کی دعوت دی۔ ہم پھر دوڑے، اس دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آگے نکل گئے۔ تب آپؐ نے فرمایا: ''یہ اس پہلی دوڑ کا بدلہ ہے کہ جب تم جیت گئی تھی۔''

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ ایک دیہاتی شخص جس کا نام زاہر تھا۔ وہ دیہات سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے تحفہ لاتا تھا۔ جب وہ واپس جانے کا ارادہ کرتا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی اسے تحفے تحائف دیتے تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''زاہر ہمارا بادیہ (دیہاتی) ہے اور ہم اس کے شہری ہیں۔'' نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس سے بہت محبت کرتے تھے حالانکہ وہ شخص خوب صورت نہیں تھا۔ ایک دن وہ اپنا سامان بیچ رہا تھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو اس کے پیچھے سے اس کی آنکھوں پر ہاتھ رکھ دیے۔ وہ آپؐ کو دیکھ نہیں رہا تھا، لہٰذا کہنے لگا۔ ''یہ کون ہے؟ مجھے چھوڑ دے۔'' پھر جب اس نے چہرہ پھیرا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو پہچان لیا اور اپنی پشت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سینے سے ملانے لگا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرمانے لگے کہ اس بندے کو کون خریدے گا؟ اس نے کہا۔ ''یا رسول اللہؐ! آپ مجھے بہت کم قیمت پائیں گے۔'' نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''لیکن تو اللہ تعالیٰ کے ہاں بڑی قیمت والا ہے۔'' آپؐ کی بات کا مطلب یہ تھا کہ اگرچہ سادگی اور خوب صورت نہ ہونے کی وجہ سے لوگ تمہیں زیادہ پسند نہیں کرتے مگر ایمان دار، سچا اور شریف ہونے کی وجہ سے اللہ کے نزدیک تمہارا مقام و مرتبہ بہت اونچا ہے۔

ایک مرتبہ پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مزاحاً اپنے ایک صحابیؓ سے پوچھا: ''یہ بتاؤ تمہارے ماموں کی بہن تمہاری کیا لگتی ہے۔'' وہ صحابیؓ سر جھکا کر سوچنے لگے تو آپؐ نے مسکرا کر فرمایا: ''ارے بھئی اپنی ماں کو بھول گئے، وہی تو تمہارے ماموں کی بہن ہے۔''

حضرت انسؓ بتاتے ہیں کہ ایک مسافر نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سفر کے لیے اونٹ کی سواری مانگی۔ آپؐ نے فرمایا: ''میں تیری سواری کے لیے اونٹنی کا بچہ دوں گا۔'' وہ کہنے لگا۔ ''میں بچہ لے کر کیا کروں گا۔ اونٹنی کا بچہ مجھے کیا اٹھائے گا؟'' آپؐ نے مسکراتے ہوئے فرمایا: ''اونٹ بھی تو اونٹنی ہی کا بچہ ہوتا ہے۔''

ایک دفعہ ایک صحابیؓ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور التجا کی کہ حضورؐ! مجھ سے ایک خطا ہو گئی ہے۔ روزہ توڑ بیٹھا ہوں۔ آپؐ نے فرمایا: ''اچھا یہ بات ہے تو پھر جاؤ اور ایک غلام آزاد کر دو۔'' وہ صحابیؓ بولے: ''یا رسول اللہؐ! میں تو بڑا غریب آدمی ہوں۔ اتنی ہمت کہاں کہ کفارے کے لیے غلام آزاد کر دوں۔'' اس پر آنحضورؐ نے فرمایا کہ پھر دو مہینے کے روزے رکھ لو۔ اس نے پھر عرض کیا کہ مجھ میں اتنی طاقت نہیں کہ اتنے روزے رکھ سکوں۔ آپؐ نے فرمایا: ''تو پھر ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلاؤ۔'' صحابیؓ نے اس پر بھی معذرت کر لی۔ اتنی دیر میں کہیں سے کھجوروں کا ہدیہ آ گیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''یہ کھجوریں لے جاؤ اور غرباء میں تقسیم کر دو۔'' وہ صحابیؓ عرض کرنے لگے کہ سارے مدینے میں مجھ جیسا غریب تو کوئی ہے ہی نہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس کی یہ بات سن کر بے ساختہ ہنس دیے اور مسکرا کر فرمایا: ''اچھا جاؤ، تم خود ہی کھا لینا۔''

حضرت ابو ذرؓ نے ایک بار نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا۔ ''سنا ہے جب دجال ظاہر ہو گا تو دُنیا میں قحط کی سی کیفیت ہو گی۔ اس قحط عام میں دجال لوگوں کی دعوت کرے گا، جس میں طرح طرح کے کھانے ہوں گے۔ میرا خیال ہے کہ اگر میں اس دور میں ہوا تو پہلے اس کے کھانوں سے خوب پیٹ بھر کر کھاؤں گا اور پھر اس کو جھٹلا دوں گا۔'' نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم یہ سن کر مسکرائے اور ارشاد فرمایا: ''اگر تم اس دور میں ہوئے تو اللہ تعالیٰ تمہیں اس کی نعمتوں سے بے نیاز کر دے گا۔''

نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی مذاق کرتے تھے اور جب صحابہؓ میں سے کوئی مذاق کرتا تو اس سے بھی لطف اندوز ہوتے۔

اسی طرح کا ایک واقعہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مجلس میں تشریف فرما تھے کہ کچھ کھجوریں تحفہ کے طور پر پیش کی گئیں۔ آپؐ نے تحفہ قبول فرمایا اور مجلس میں ساتھیوں کے ساتھ تناول فرمانے لگے۔ سبھی ساتھیوں میں سب سے کم سن حضرت علیؓ تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کھجوریں تناول فرماتے اور گٹھلیاں حضرت علیؓ کے سامنے رکھتے جاتے۔ دوسرے صحابہ کرامؓ بھی ایسا ہی کرتے جاتے۔ جب کھجوریں کھا چکے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسکراتے ہوئے پوچھا: ”بتاؤ! زیادہ کھجوریں کس نے کھائی ہیں؟“ حضرت علیؓ معاملہ سمجھ گئے اور حاضر جوابی کے ساتھ فوراً بولے۔ ”جنہوں نے گٹھلیوں تک کو نہیں چھوڑا، انہوں نے ہی زیادہ کھجوریں کھائی ہیں۔“ حضرت علیؓ کی حاضر جوابی پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بہت مسکرائے اور تمام حاضرین مجلس بھی ہنسنے لگے۔

حضرت امِ سلمیٰؓ فرماتی ہیں کہ آپؐ کی وفات سے تقریباً ایک سال پہلے حضرت ابوبکر صدیقؓ تجارت کے لیے بصرہ تشریف لے گئے۔ ان کے ساتھ حضرت نعمانؓ اور حضرت سویطؓ بھی تھے۔ ان میں حضرت سویطؓ کی طبیعت ذرا شوخ تھی۔ دوران سفر ایک دن حضرت سویطؓ نے حضرت نعمانؓ سے کھانا مانگا۔ انہوں نے جواب دیا۔ ”حضرت ابوبکرؓ کے آنے پر دوں گا۔“ حضرت سویطؓ نے فرمایا: ”میں آپ کو دیکھ لوں گا۔“ کچھ دیر چلتے رہنے کے بعد ایک قبیلے کے پاس سے گزر ہوا تو حضرت سویطؓ نے وہاں کے لوگوں سے کہا: ”میرے پاس ایک غلام ہے، اگر تم خریدنا چاہو تو لے لو...... اس میں ایک بات ہے کہ وہ خود کو آزاد کہتا رہے گا...... مگر تم اسے چھوڑنا نہیں۔“ یہ سودا دس اونٹوں میں طے پایا اور ان لوگوں نے حضرت نعمانؓ کے گلے میں چادر ڈال لی۔ وہ بے چارے چیختے ہی رہ گئے کہ میں آزاد ہوں مگر انہوں نے جواب دیا کہ ہمیں تمہاری بات کا علم ہے کہ جیسے حضرت سویطؓ نے انہیں بتایا تھا۔ اتنے میں حضرت ابوبکر صدیقؓ وہاں تشریف لے آئے۔ سارا معاملہ سمجھ کر حضرت ابوبکر صدیقؓ نے حضرت نعمانؓ کی جان چھڑائی اور ان لوگوں کا مال انہیں واپس کر دیا۔ جب مدینے کو واپسی ہوئی اور نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس واقعے کا علم ہوا تو آپؐ خوب مسکرائے۔ اس مذاق سے آپؐ خوب لطف اندوز ہوئے۔

ایک دفعہ ایک صحابیؓ نے نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسولؐ! مجھے ایک دن میرے بت نے بہت نفع دیا۔ سب حیران ہو گئے کہ بت کسی کو کیا نفع پہنچا سکتا ہے، وہ تو خود محتاج ہوتا ہے۔ حضورؐ نے پوچھا: ”تمہارے بت نے تمہیں کیا نفع پہنچایا؟“ اس صحابیؓ نے عرض کیا۔ ”یا رسول اللہؐ! میں زمانہ جاہلیت میں سفر پر جا رہا تھا۔ میں نے اپنی بیوی سے کہا کہ مجھے کوئی چھوٹا بت دے دو تاکہ راستے میں اس کی عبادت کر سکوں۔ اتفاق سے اس وقت گھر میں کوئی بھی چھوٹا بت نہیں تھا۔ چنانچہ میری بیوی نے مجھے آٹے کا ایک بت بنا کر دے دیا۔ میرا سفر بہت لمبا تھا۔ راستے میں میرے کھانے کا سامان بالکل ختم ہو گیا۔ میں نے بت کے سامنے سجدہ کر کے اس سے کھانا مانگا مگر مجھے کچھ نہ ملا۔ میں بہت پریشان ہو گیا۔ مجبوراً میں بت توڑ کر کھا گیا، مجھے بت نے یہی فائدہ دیا۔“

یہ بات سن کر نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے صحابہؓ مسکرانے لگے۔ اس مضمون میں آپ نے پڑھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے صحابہؓ کتنے خوش مزاج تھے۔ ان کی باتوں میں کتنی لطافت اور ظرافت ہوتی تھی۔ وہ مذاق میں نہ تو کسی کا دل دکھاتے تھے اور نہ ہی لوگوں کے سامنے کسی کو ذلیل کرتے تھے۔ ہمیں بھی ایسے ہی لطیف اور پاکیزہ مذاق کرنے چاہئیں۔

اے روحِ محمدؐ

شیرازہ ہوا ملتِ مرحوم کا ابتر
اب تو ہی بتا، تیرا مسلمان کدھر جائے!
وہ لذتِ آشوب نہیں بحرِ عرب میں
پوشیدہ جو ہے مجھ میں، وہ طوفان کدھر جائے
ہر چند ہے بے قافلہ و راحلہ و زاد
اس کوہ و بیاباں سے حدی خوان کدھر جائے
اس راز کو اب فاش کر دے اے روحِ محمدؐ
آیاتِ الٰہی کا نگہبان کدھر جائے

علامہ اقبالؒ

شیرازہ ابتر ہونا: انتظام بگڑنا۔ آشوب: شور و غوغا۔ حدی خوان: عرب کے اونٹ سواروں کا نغمہ پڑھنے والا۔ زاد: سفر خرچ۔ راحلہ: سواری کا جانور۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

شیشے والی الماری میں رکھی چیزوں کو دیکھ کر اُس کی آنکھیں حیرت سے پھٹی جا رہی تھیں...... پھر اس کی کانپتی ہوئی آواز عابد کی سماعت سے ٹکرائی: "یہ...... یہ...... یہ سب چیزیں تم نے بنائی ہیں؟"

"حارث! یہ سب چیزیں میرے ہی شاہکار ہیں، انہیں میں نے ہی بنایا ہے۔" اُس کے چہرے پر مسکراہٹ تھی۔

"یہ...... یہ بھالو بھی تم نے بنایا ہے؟" حارث نے ہاتھ بڑھا کر الماری سے بھالو نکال لیا تھا اور اب حیرت وخوشی کے ملے جلے آثار چہرے پر سجائے، اُسے دیکھ رہا تھا۔ بھالو بہت خوب صورت تھا۔ اس کے گلے میں لال رنگ کا ربن بھی باندھا گیا تھا۔

"یہ پیارا سا بھالو اور الماری میں رکھے دوسرے جانور بھی میں نے ہی بنائے ہیں......"

عابد، دوست کے منہ سے اپنی تعریف سن کر آپے سے باہر ہو رہا تھا۔ اس کا انگ انگ خوشی سے سرشار اور چہرہ گلاب کی طرح کھل رہا تھا۔ حارث نے بھالو واپس الماری میں رکھ دیا اور بلی کو اٹھا لیا۔ وہ گہرے سیاہ رنگ کی تھی۔ اس کی موٹی موٹی آنکھیں بالکل اصلی دِکھ رہی تھیں۔ الماری میں بھالو، بلی کے علاوہ خرگوش، بندر اور بن مانس بھی تھا۔ وہ باری باری سبھی کو اُٹھا اُٹھا کر دیکھ رہا تھا۔ پھر وہ واپس عابد کی طرف گھوما اور اس کے پاس آ کر بولا:

"غضب کی کاوش ہے...... کیا عمدہ کھلونے بنائے ہیں...... مزا آ گیا، لیکن یہ تو بتاؤ، تم نے یہ سب کیسے کر لیا؟" اس کے چہرے پر حیرت اور آنکھوں میں سوال تھا۔

"میرے چچا چین میں رہتے ہیں...... تم جانتے ہو، چینی بہت محنتی قوم ہے، ہنر مندی تو اُن کی گھٹی میں پڑی ہے۔ انہوں نے وہاں یہ ہنر اپنے ایک چینی دوست سے سیکھا اور میں نے ان سے سیکھ لیا...... تمہیں میری چیزیں کیسی لگیں؟"

"زبردست...... میں حیران ہوں، تمہارا کام کمال کا ہے......" حارث نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"تعریف کا شکریہ...... آؤ، اب اس بوتل کو پی لو، بے چاری کافی دیر سے تمہارا انتظار کر رہی ہے۔" عابد نے میز پر رکھی بوتل کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ہنس کر کہا۔

"اس کی کیا ضرورت تھی...... میں گھر ہی تو جا رہا تھا۔"

"پی لو (ماجد کی منت کر کے)...... تمہارے لیے منگوائی ہے۔"

حارث نے بوتل اُٹھائی اور پینے لگا۔

"اچھا! میں اب چلتا ہوں، امی میرا انتظار کر رہی ہوں گی۔ چھٹی ہوئے کافی دیر ہوگئی ہے، وہ پریشان ہو رہی ہوں گی۔" حارث بوتل خالی کر کے میز پر رکھتے ہوئے بولا۔

"ٹھیک ہے...... تمہاری آمد اور کھلونوں کی تعریف کا شکریہ...... چلو، میں تمہیں دروازے تک چھوڑ دیتا ہوں۔"

وہ حارث کو دروازے پر چھوڑ کر واپس پلٹا تو اس کے سامنے امی جی کھڑی تھیں۔ "چلا گیا حارث......؟"

"جی چلا گیا ہے...... میرے کھلونے دیکھنے آیا تھا وہ...... امی جی! بھوک بہت لگ رہی ہے، جلدی سے کھانا لگا دیں۔"

"وہ تو کب کا لگا چکی ہوں...... سب تمہارا دستر خوان پر انتظار کر رہے ہیں، آؤ میرے ساتھ۔" امی جی نے مسکراتے ہوئے کہا اور اُسے لے کر دستر خوان پر آگئیں۔ وہاں عاشی، ماجد اور توحید بیٹھے اس کے منتظر تھے۔ "آ گئے آپ......" ماجد نے کہا۔

"بھائی! میری ٹیچر کہتی ہیں، اسکول سے واپسی پر بچوں کو سیدھے اپنے گھر جانا چاہیے...... آپ حارث کو اپنے گھر لے آئے، یہ کوئی اچھی بات نہیں ہے۔ اُسے گھر جانے میں آج دیر ہوگئی ہے، اس کے گھر والے یقیناً پریشان ہوں گے کہ آج وہ کہاں رہ گیا......" عاشی ایک ہی سانس میں کہتی چلی گئی۔ عابد نے گھور کر اُسے دیکھا اور بُرا سا منہ بنا کر بولا: "وہ تو ٹھیک ہے، لیکن تمہارا اِس سے کیا لینا دینا...... کتنی بار کہا ہے، میرے معاملات میں ٹانگ نہ اڑایا کرو، لیکن تم ہو کہ سمجھتی ہی نہیں۔"

"بھائی! عاشی نے کچھ غلط تو نہیں کہا ہے۔ آپ حارث کو شام کے وقت بھی بلا سکتے تھے۔ وہ زیادہ دور نہیں رہتا ہے۔" ماجد نے اس سے بھی زیادہ بُرا سا منہ بناتے ہوئے کہا۔

"اگر تمہیں بھی کچھ کہنا ہے تو کہہ گزرو، پھر کھانا کھاتے ہیں۔" عابد نے جل بھن کر کہا۔ جواب میں توحید مسکرا کر رہ گیا۔

"عابد بیٹا! عاشی کی بات ٹھیک ہے، تم اسے شام کو بھی بلا سکتے تھے...... اور اگر بلا ہی لیا تھا تو اُسے کھانے کی دعوت دے دیتے...... تم نے صرف بوتل پلا کر اُسے رخصت کر دیا...... یہ کوئی اچھی بات نہیں ہے۔"

"امی جی! آپ ہمیشہ ان کی طرف داری کیوں کرتی ہیں...... میں ان سے بڑا ہوں لیکن آپ نے ہر معاملے میں ہمیشہ انہی کا ساتھ دیا ہے...... میں نے حارث کو کھانے کی دعوت راستے میں ہی دے دی تھی، لیکن وہ کھانا ہمیشہ اپنی امی کے ساتھ ہی کھاتا ہے...... نہیں کھانا مجھے کھانا وانا......" عابد نے غصے سے کہا اور اُٹھ کر کمرے میں چلا گیا۔

"بھائی! ہر بات کا اُلٹ مطلب لے لیتے ہیں...... ہمارا مقصد اُن کی بے عزتی کرنا نہیں ہوتا ہے...... امی جی! آپ دیکھ ہی رہی ہیں۔" عاشی نے کہا۔

"میں دیکھتی ہوں اُسے، تم کھانا شروع کرو۔" امی جی نے اُٹھتے ہوئے کہا۔

"ہم کھانا شروع نہیں کریں گے، آپ انھیں لے آئیں، ہمیشہ کی طرح مل کر ہی کھائیں گے۔"

"ٹھیک ہے...... پھر انتظار کرو۔" انھوں نے کہا اور عابد کے کمرے کی طرف چلی گئیں۔

☆☆

انھوں نے سلام پھیرا اور صوفے پر بیٹھے ماجد، توحید اور عاشی کی طرف متوجہ ہوئیں: "کیا تم لوگوں نے عشا کی نماز پڑھ لی ہے؟"

"جی امی جی! میں اور توحید مسجد میں پڑھ آئے ہیں، جب کہ عاشی نے ساتھ والے کمرے میں نماز ادا کی ہے۔" ماجد نے جلدی سے کہا۔ "شاباش...... اور عابد نے نماز پڑھ لی؟" انہوں نے اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے پوچھا، پھر سر جھکا کر تسبیح کرنے لگیں۔

تینوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا، پھر عاشی آہستہ سے بولی: "عابد بھائی نماز نہیں پڑھتے ہیں...... امی جی یہ بات جانتی ہیں، پھر ہر نماز کے بعد، یہ سوال کیوں کرتی ہیں۔ 'عابد نے نماز پڑھ لی' یہ سوال کر کے وہ ہمیشہ خاموشی سے تسبیح کرنے لگتی ہیں۔ یہ بات میری سمجھ میں نہیں آئی۔"

"میں کیا کہوں...... سمجھ تو مجھے بھی نہیں آئی۔" ماجد نے سرگوشی کی۔

"امی جی چاہتی ہیں، ان کے سارے بچے پانچ وقت کی نماز پڑھیں، لیکن عابد بھائی ان کی بات، ان کی نصیحت کو کسی خاطر میں نہیں لاتے ہیں، ہم دیکھ رہے ہیں...... دن بہ دن ان کا رویہ نہ صرف ہم تینوں بلکہ امی جی سے بھی عجیب سا ہو رہا ہے۔ وہ بات بات پر
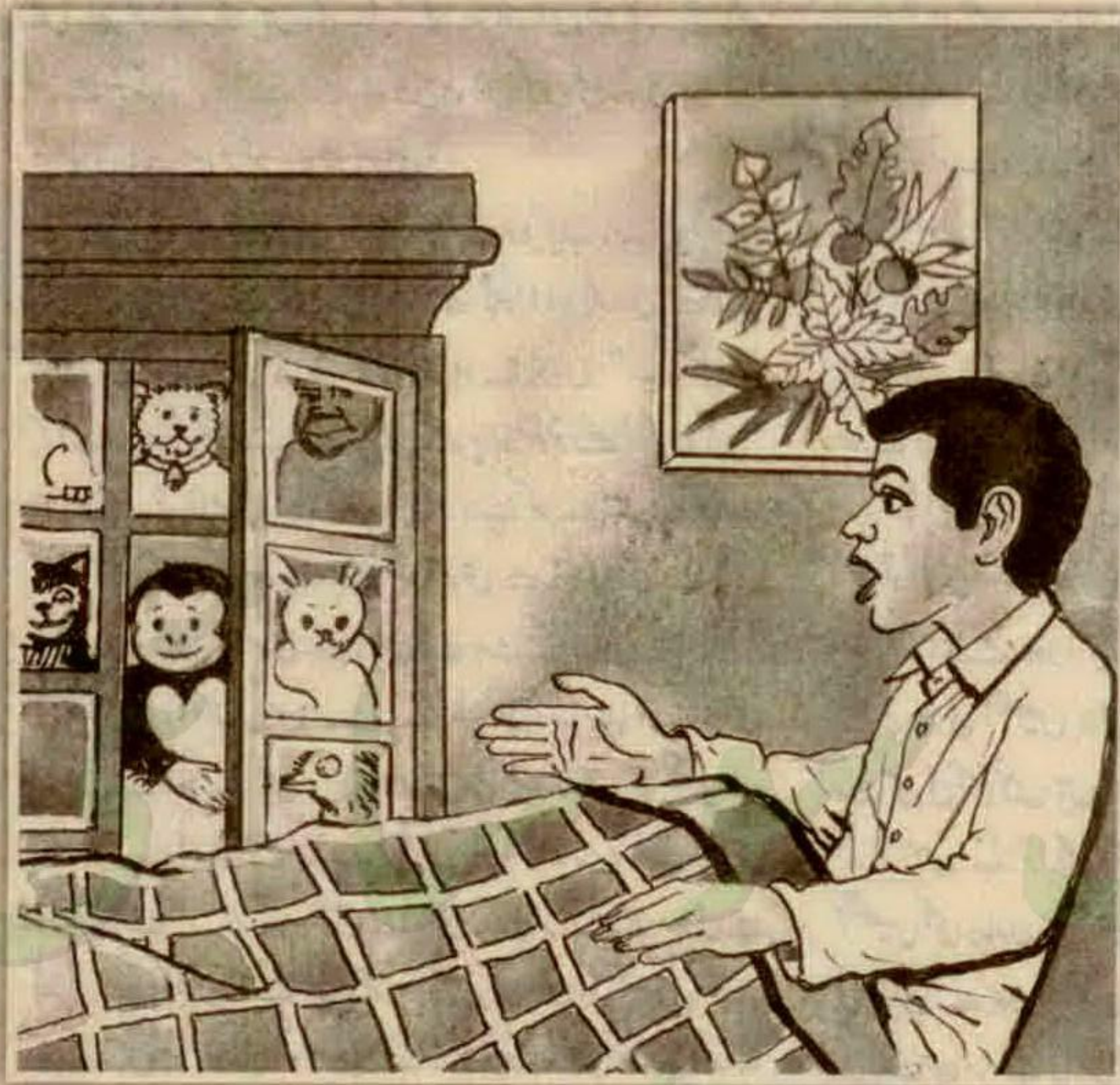
سب کو کاٹ کھانے کو دوڑتے ہیں، چھوٹی چھوٹی باتوں پر چڑ جاتے ہیں۔ غصہ کرتے ہیں۔'' توحید کہتا چلا گیا۔ آواز اس کی بھی مدھم تھی۔

''تم نے ایک بات اور نوٹ کی...... جب سے چچا جان انھیں کھلونے بنانا سیکھا کر گئے ہیں، ان میں اکڑ آگئی ہے۔ بات بات پر ہماری بے عزتی کرنے لگے ہیں ...... ہر روز کوئی نہ کوئی دوست، اُن کے کمرے میں ہوتا ہے۔ کھلونوں کو دیکھتا ہے اور دل کھول کر اُن کی تعریف کرتا ہے...... کہیں ایسا تو نہیں، وہ خود کو ہم سے برتر سمجھنے لگے ہیں...... تعریف کسی بھی انسان میں ہوا بھر سکتی ہے اور ہوا بھری چیزیں زمین پر کم ہی رہتی ہیں۔'' توحید نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

''اس کا مطلب ہے...... وہ واقعی خود کو ہم سب سے زیادہ ذہین اور عقل مند سمجھنے لگے ہیں!''

''ذہین تو وہ بلاشبہ ہیں...... ہمیشہ اسکول میں نمایاں رہتے ہیں...... نصابی میدان ہو کہ غیر نصابی سرگرمیاں، وہ سب سے آگے ہوتے ہیں، اب دیکھ لو...... چچا جان نے کھلونے بنانے کا طریقہ سکھانا شروع کیا تو بھائی نے بہت جلدی سیکھ لیا...... '' ماجد کہتا چلا گیا۔

'' وہ واقعی ہم سے ذہین ہیں لیکن بھائی! اس ذہانت کا کیا فائدہ...... جب دوسرے آپ سے خوش نہ ہوں...... اور تو اور آپ کی امی جی ہی آپ سے خوش نہ ہوں...... خونی رشتے ہی راضی نہ ہوں...... اپنے خالق کے سامنے آپ اپنا سر ہی نہ جھکا سکیں۔ میں ایسی کسی ذہانت کو مانتا ہی نہیں ہوں۔'' توحید نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔

کوئی کچھ نہ بولا۔ اچانک پیچھے سے عابد کی آواز ان کی سماعتوں سے ٹکرانے لگی۔ وہ کہہ رہا تھا: ''میں واقعی تم سب سے اچھا ہوں، ذہین ہوں...... بات کو فوری سمجھ جاتا ہوں اور کامیابیاں حاصل کر لیتا ہوں...... تم لوگ ذہین نہیں ہو...... بس گزارا کرنے والے ہو...... میں اچھے اچھے کھلونے بناتا ہوں، ان کھلونوں کو حقیقت کے قریب تر لے جاتا ہوں...... جو بھی دیکھتا ہے، تعریف کیے بغیر نہیں رہتا...... کل میں اپنے کھلونے اسکول لے جا رہا ہوں، وہاں سب میری تعریف کریں گے، تم میری کامیابیوں سے جلتے ہو...... اسی لیے میرے متعلق اوٹ پٹانگ باتیں کرتے ہو اور سوچتے ہو...... لو میں چلا اپنے کمرے میں۔''

'' بھ...... بھ بھائی...... آپ کب آئے؟'' عاشی نے گھبرائے ہوئے لہجے میں کہا۔

''میں نے تمہاری ساری باتیں سن لی ہیں۔'' عابد نے غصے سے اُسے گھورا۔ اس سے پہلے کہ کوئی کچھ کہتا، امی جی اُس سے کہنے لگیں:

'' بچو! تمہارے ابو بیرون ملک ہوتے ہیں، انھوں نے تربیت کی ساری ذمہ داری مجھ پر ڈال دی ہے۔ اللہ گواہ ہے، میں نے اپنی ذمہ داری کو بڑے اچھے طریقے سے نبھایا ہے اور نبھا رہی ہوں...... عابد بیٹے! جب سے تمہارے چچا، تمھیں کھلونے بنانے

میں ماہر کر کے گئے ہیں، تم بدل گئے ہو اور اس تبدیلی نے مجھے سوچنے پر مجبور کر دیا ہے کہ میری تربیت میں کہیں کمی رہ گئی...... خیر! تم میری بات سن کر کمرے میں جانا۔''

امی جی کے الفاظ سن کر عابد ساکت رہ گیا۔ ماجد، توحید اور عاشی بھی خاموش تھے۔ امی جی نے مصلے چھوڑا اور الماری سے ایک چھوٹی سی کتاب نکال کر عابد کو دیتے ہوئے بولیں: ''یہ چھوٹی سی کتاب ہے، اگر تم سونے سے پہلے اِسے پڑھ سکو تو مجھے خوشی ہوگی۔''

عابد نے خاموشی سے کتاب لی اور اپنے کمرے میں چلا گیا۔

''تم بھی جا کر سو جاؤ، مجھے نیند آ رہی ہے۔'' امی جی نے پلٹ کر کہا تو وہ تینوں خاموشی سے وہاں سے ہٹ گئے۔ ☆☆

ہلکی ہلکی آوازیں سن کر عابد نے کمبل تھوڑا سا ہٹایا اور ادھ کھلی آنکھوں سے کمرے میں دیکھنے لگا۔ اس پر نیند کا غلبہ تھا لیکن ان آوازوں نے اسے کمبل ہٹانے پر مجبور کر دیا تھا۔ زیرو بلب کی سبز روشنی پورے کمرے میں پھیلی ہوئی تھی۔ دیوار پر موجود بڑی سی گھڑی کی سوئیاں آگے پیچھے محو سفر تھیں اور ان کی مخصوص آواز کمرے میں موجود ہلکی آوازوں کے ساتھ مل کر ماحول کو عجیب سا بنا رہی تھیں۔ کمرے میں کوئی نہیں تھا، لیکن آوازیں مسلسل آ رہی تھیں۔ پھر اچانک وہ دنگ رہ گیا۔ خوف نے یک دم اُس کے دل میں گھر کر لیا۔ اُسے لگا، کھلونوں والی الماری میں ہل چل تھی۔ ہلکی ہلکی آوازیں وہیں سے آ رہی تھیں۔ وہ توجہ سے آوازیں سننے لگا:

''اپنا منہ دیکھا ہے تم نے...... بل بتوڑی کہیں کی۔'' بھالو نے اپنا لال ربن درست کرتے ہوئے بلی سے کہا۔

''میرا منہ جیسا بھی ہے، تم سے بہت اچھا ہے...... تم اپنے ڈرم جیسے پیٹ کو سنبھالو، کسی نے سوئی چبھو دی تو اُوئی اُوئی کرتے پھرو گے......'' بلی نے بُرا سا منہ بناتے ہوئے کہا۔ ساتھ ہی وہ زور سے گھومی تو بندر سے ٹکرائی۔ وہ بھنا اُٹھا...... اس نے ایک زور دار تھپڑ بلی کے گال پر جڑ دیا۔ بلی کی چیخ نکل گئی۔ وہ دھاڑی:

''پاگل بندر! تم نے مجھے کیوں مارا ہے؟''

''پہلے یہ بتاؤ، تم مجھ سے زور سے کیوں ٹکرائی ہو...... لڑائی تو تمھاری بھالو سے ہے، میں نے تمھیں کچھ نہیں کہا تھا۔''

''میں نے بھی تمھیں کچھ نہیں کہا بس ٹکرا ہی تو گئی تھی۔'' بلی نے منہ بنایا۔

''اور تمھارے اس ٹکرانے سے پتا ہے، مجھے کتنی چوٹ آئی ہے۔'' بندر نے اپنا پہلو سہلاتے ہوئے کہا۔

''تم بے وقوف اور پاگل ہو...... بلا وجہ آپس میں ٹکراتے رہتے ہو...... ہونہہ!'' خرگوش نے قدرے اونچی آواز میں کہا۔

''لو بی مینڈکی کو بھی زکام ہوا...... تم سے کس نے کہا، ہماری بات میں ٹانگ اڑاؤ۔'' بلی نے گھور کر خرگوش کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''بی بی! میں مینڈکی نہیں، ایک خوب صورت خرگوش ہوں...... کیا تم اندھی ہو؟'' خرگوش کو بھی غصہ آ گیا۔

''اندھے ہوں تیرے ماں باپ...... میرے بنانے والے نے تو میری آنکھیں بڑی ہی سندر بنائی ہیں، اتنی سندر کہ تم میں سے کسی کی بھی نہیں ہیں۔'' بلی نے کہا تو خرگوش منہ بنا کر رہ گیا۔

''اس نے تو مجھے بھی بہت خوب صورت بنایا ہے اور میری آنکھیں بھی پیاری بنائی ہیں۔'' بندر نے آنکھیں مٹکاتے ہوئے کہا تو بلی جلدی سے بولی: ''اتنی پیاری جیسے کسی کوٹ کے بٹن ہوں......'' اس کی بات سن کر سب کی ہنسی نکل گئی جب کہ بندر بُرا سا منہ بنانے لگا۔

''دوستو! بات کیا ہے؟'' بن مانس کی آواز سن کر بلی، بندر اور خرگوش نے جلدی سے اس کی طرف دیکھا۔ ''تم تینوں کافی دیر سے جھگڑ رہے ہو...... آخر ہوا کیا ہے، کچھ مجھے بھی بتاؤ گے۔''

''بات تو کوئی خاص نہیں ہے......'' بھالو کہہ رہا تھا کہ بن مانس جلدی سے بولا: ''بات کوئی خاص نہیں ہے تو پھر تم لڑائی کیوں کر رہے ہو...... لڑ جھگڑ کر اپنا اور دوسروں کا دماغ کیوں خراب کر رہے ہو، میں کہتا ہوں...... یہ لڑائی جھگڑا کوئی اچھی بات نہیں ہے۔ ہمیں ہر وقت اپنے بنانے والے کی باتوں کو ذہن میں رکھنا چاہیے۔ انھوں نے ہمیں بنا کر اور ایک ساتھ رکھتے وقت کہا تھا: 'دیکھو! میں نے تمھیں بڑی محبت سے، اپنے ہاتھوں سے بنایا ہے۔ یہ ساری خوب صورتی اور رعنائی میں نے تمھیں دی ہے۔ آپس میں لڑائی جھگڑا نہ کرنا، اگر تم آپس میں متحد اور پیار سے نہیں رہو گے تو مجھے بہت دکھ ہوگا۔ یاد رکھو! اگر میں دکھی ہو گیا تو سمجھو، تمھاری خیر نہیں ہے۔ میں تمھیں جلا دوں گا۔ تمھاری ساری خوب صورتی آگ کی نذر کر دوں گا...... سکھی اور سلامت رہنا ہے تو میری باتوں پر عمل کرنا۔' ہمارے بنانے والے نے ایسی اور بھی

بہت سی باتیں کہی تھیں ہم سے...... کیا تم وہ سب بھول گئے ہو؟''
بن مانس کہتا چلا گیا۔

اس کی باتیں سن کر سب سہم سے گئے۔ عابد نے چند لمحوں کے لیے کمرے میں خاموشی کو محسوس کیا۔ پھر ایک زور دار آواز اس کی سماعت سے ٹکرائی۔ یہ آواز اس کے سب سے محبوب، بھالو کی تھی۔ وہ کہہ رہا تھا: ''بن مانس بھائی! میرا خیال ہے، میں آپ سب سے زیادہ خوب صورت ہوں، مجھے بڑی محبت سے بنایا گیا ہے۔ مجھے بناتے وقت انھوں نے سب سے زیادہ قیمتی میٹیریل استعمال کیا ہے۔ وہ ہمیشہ مجھے مسکرا کر دیکھتے ہیں۔ اپنے دوستوں کے سامنے، سب سے زیادہ میری تعریف کرتے ہیں، اس لیے میں سمجھتا ہوں، میں سب سے زیادہ اچھا ہوں...... آپ کو میری باتیں ماننا پڑیں گی۔ میری عزت کرنا ہوگی...... لیکن یہ کالی ایسا کرنے پر تیار نہیں ہے، مجھ سے پنگا لیتی ہے۔ میں نے اس سے کہا، میرے لیے ایک خوب صورت سی میاؤں کر دو، لیکن اس نے صاف انکار کر دیا، بس اس بات پر مجھے غصہ آ گیا۔ کیا میرا غصہ جائز نہیں ہے؟''

بھالو نے بات ختم کر کے بن مانس کی طرف دیکھا۔ وہ مسکرایا، بولا:

''تمھاری ساری بات ٹھیک ہے لیکن تمھارا مطالبہ جائز اور مناسب نہیں ہے، ہمیں بتانے والے نے کہا تھا، تم سب بہت اچھے ہو لیکن مجھ سے زیادہ پیار اور توجہ وہی حاصل کرے گا جو میری باتوں کو یاد رکھے گا اور ان پر عمل کرے گا...... میں دیکھ رہا ہوں، ان کی باتیں تو سبھی کو اچھی طرح یاد ہیں لیکن کوئی ان پر عمل کرنے کو تیار نہیں ہے...... مجھے یوں لگتا ہے، اگر ہم نے اپنے بنانے والے کی باتوں پر عمل نہ کیا تو وہ ہمیں جلا دیں گے، آگ میں ڈال دیں گے۔'' بن مانس نے کہا۔ اس کی آواز میں ڈر اور فکر مندی نمایاں تھی۔

''وہ ایسا نہیں کر سکیں گے...... آگ میں نہیں ڈال سکیں گے۔''

بھالو کی آواز سن کر بلی، خرگوش، بندر اور بن مانس حیران رہ گئے۔ پھر بلی کی آواز گونجی:

''اچھے بھالو! اُنھوں نے ہمیں بنایا ہے، وہ چاہیں تو کسی بھی وقت ہمیں جلا دیں...... آگ میں ڈال دیں۔''

''وہ ایسا نہیں کر سکیں گے۔'' بھالو کے چہرے پر مسکراہٹ تھی...... شریری مسکراہٹ۔

عقد انامل: انگلیوں پر شمار کرنا

حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ انگلیوں پر کلمہ طیبہ اور تسبیحات کو گنا کرو کہ قیامت کے دن ان انگلیوں سے بھی محاسبہ ہوگا کہ اپنے اپنے اعمال بتائیں، اور ان کو قوت گویائی عطا کی جائے گی اور حضور ﷺ پر میرے ماں باپ قربان ہوں کہ آپ ﷺ ہر چیز میں ہمارے سامنے ہیں۔

حدیث شریف میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ صحابہؓ کو حکم فرمایا کرتے تھے کہ وہ تکبیر (اللہُ اکبر) تقدیس، (سُبحَانَ المَلِکِ القُدُّوسِ) اور تہلیل (لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ) کی تعداد کا خیال رکھا کریں اور انہیں انگلیوں پر شمار کیا کریں، فرمایا اس لیے کہ قیامت کے دن انگلیوں سے دریافت کیا جائے گا اور وہ بتلائیں گی کہ کتنی تعداد میں تکبیر، تقدیس اور تہلیل کی تھی۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو سیدھے ہاتھ کی انگلیوں پر تسبیح پڑھتے ہوئے دیکھا ہے۔

(شمائل ترمذی۔ حصن حصین)

''لیکن کیوں بھائی...... وہ ایسا کیوں نہیں کر سکیں گے؟''
خرگوش نے کیوں کو کھینچتے ہوئے کہا۔

''اس لیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی باتوں پر عمل نہیں کرتے، ان سے ڈرتے نہیں ہیں، جنم دینے والی ماں سے بھی نہیں ڈرتے ہیں...... وہ نافرمان ہیں، اس لیے وہ ہمیں جلا نہیں سکتے...... بھلا نافرمان بھی کسی کو نقصان پہنچا سکتے ہیں۔''

بھالو کی زور دار آواز جیسے ہی عابد کے کانوں سے ٹکرائی، وہ جلدی سے اُٹھ کر بستر پر بیٹھ گیا۔ اس کا دل دھک دھک کر رہا تھا۔ اس کے عین سامنے میز پر، امی جی کی دی ہوئی چھوٹی سی کتاب پڑی تھی اور اُس پر جلی حروف میں لکھا تھا...... اللہ کی نافرمانی...... وہ سوچ رہا تھا، کیا وہ واقعی اپنے خالق اللہ تعالیٰ کا نافرمان ہے، کیا میرا بھالو سچ کہہ رہا ہے؟ اچانک اس کا پورا وجود کانپ اُٹھا۔ میں واقعی نافرمان ہوں...... اس نافرمان کی آنکھیں اور جسم پانی پانی ہو رہا تھا...... اُسے اپنی غلطیوں کا احساس ہو گیا تھا...... کمرے کے روشن دان سے ہوتی ہوئی، اذان فجر کی آواز اُس کی سماعت سے ٹکرانے لگی تو اس کا پانی پانی جسم اب ہولے ہولے کانپنے لگا تھا...... الماری میں موجود اُس کی کاوشیں، اُسے جگا کر خود ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جیسے سو گئی تھیں۔

☆......☆......☆

اَلْقُدُوسُ جَلَّ جَلَالُهٗ (ہر عیب سے پاک)

اَلْقُدُوسُ جَلَّ جَلَالُهٗ وہ ذات ہے جو ہر عیب سے پاک ہے۔

تشریح: اللہ تعالیٰ کا ایک نام اَلْقُدُوسُ جَلَّ جَلَالُهٗ ہے۔ اَلْقُدُوسُ وہ ہے جس میں کوئی عیب ہی نہیں ہے۔ رب وہی ہو سکتا ہے جس میں کوئی عیب نہ ہو۔ اَلْقُدُوسُ جَلَّ جَلَالُهٗ میں نہ پہلے کبھی عیب تھا، نہ اب ہے اور نہ آئندہ کبھی اس میں کوئی عیب ہوگا۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے خود اپنی تعریف بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ وہی اللہ ہے، اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، بادشاہ ہے۔ ہر عیب سے پاک ہے، سلامتی، امن دینے والا ہے۔ ہر ایک کا نگہبان ہے، ہر شے پر غالب ہے، بڑائی والا ہے۔

جگمگاتا آسمان

ارشد اپنی چھت پر سونے کے لیے لیٹا۔ اس نے نظر اوپر اٹھائی تو آسمان پر لاکھوں کروڑوں ستارے جگمگاتے نظر آئے۔ ہر طرف ستارے ہی ستارے جگمگا رہے تھے۔ تاروں بھرا آسمان بہت خوب صورت لگ رہا تھا۔ ساتھ ہی اس کے معصوم ذہن میں کئی سوالات اٹھنے لگے اور پھر کچھ دیر وہ سوچتا رہا۔ سوچتے سوچتے نہ جانے کب اس کی آنکھ لگ گئی۔ چھٹی والے دن ناشتے کے دستر خوان پر وہ اپنے امی ابو سے ذہن میں اٹھنے والے سوالات پوچھ لیتا تھا۔

''ابو! آسمان کتنا بڑا ہے؟''

''بیٹا! بہت بڑا ہے جس کا اندازہ نہیں لگایا جا سکتا۔''

''ابو! اس میں کوئی ستون بھی ہے؟''

''نہیں بیٹا! یہ پورا آسمان ستون کے بغیر قائم ہے۔''

''مگر کیسے! ہم جو دوسرا گھر بنا رہے ہیں اس کی چھت میں تو کئی ستون ہیں۔'' ارشد نے نئے تعمیر ہونے والے گھر کو یاد کرتے ہوئے کہا۔

''بیٹا! انسان جس طرح خود محتاج ہے اسی طرح اس کی بنائی ہوئی چیزیں بھی کئی سہاروں کی محتاج ہیں لیکن اللہ تعالیٰ سب چیزوں سے بے نیاز ہیں۔ وہ کسی کے محتاج نہیں، اور دُنیا کے بنانے میں انہوں نے کسی کی مدد نہیں لی۔ آسمان کے بارے میں تو اللہ تعالیٰ نے دعویٰ کیا ہے۔''

''دعویٰ!!'' ارشد اس بات پر چونکا ''کیسا دعویٰ؟'' اس کے سوال میں حیرت ہی حیرت تھی۔

''اللہ تعالیٰ نے دعویٰ کیا ہے کہ اس آسمان میں کوئی عیب نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سات آسمان بنائے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا جس کا مفہوم ہے: 'آسمان کی طرف دیکھو۔ پھر دیکھو، بار بار دیکھو۔

تم میری پیدا کی ہوئی چیز میں کوئی عیب نہیں نکال سکتے۔ نہ اس میں کوئی ستون ہے، نہ کوئی سہارا، نہ اس میں کہیں کوئی سوراخ ہے اور نہ ٹیڑھا پن۔ تمہاری نگاہ عیب تلاش کرنے میں ناکام ہو جائے گی، مگر آسمان میں کہیں سے کوئی عیب نہیں دکھا سکتے۔ اور پھر اللہ تعالیٰ نے آسمان کو چمکتے دمکتے ستاروں سے خوب صورت بنایا ہے۔''

''یہ بات اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں کس جگہ بیان فرمائی ہے۔'' امی نے ابو سے سوال کیا۔

''ہمارے بیٹے نے یہ آیات تو پڑھی ہوئی ہیں۔''

''مگر ابو! ترجمہ تو نہیں پڑھا ناں۔'' ارشد کے اس طرح برجستہ کہنے پر امی ابو مسکرانے لگے۔

''تو کیا خیال ہے؟ قرآن پاک کا ترجمہ پڑھو گے ناں؟''

''ابو وہ کیسے؟''

''عالم بنو گے تو اس میں ترجمہ بھی پڑھو گے۔ یہ بات ۲۹ ویں پارے میں سورۂ ملک کی آیات میں اللہ تعالیٰ نے بیان فرمائی ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ آسمان میں کوئی عیب نہیں ہے۔''

''ابو! جب اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی چیز میں کوئی عیب نہیں ہے تو اللہ تعالیٰ بھی بے شک ہر عیب سے پاک ہے۔'' ارشد نے بے ساختہ کہا۔

''ہمارا بیٹا ۲۹واں پارہ حفظ کر رہا ہے، یہ تو ۲۹ویں پارے میں ہے۔'' امی نے کہا۔

''ارے ہاں! اٹھائیسویں پارے سے یاد آیا۔ ارشد! آج سے آپ اسے روزانہ پڑھنے کی کوشش کریں آپ نے یہ آیات بھی حفظ کر لی ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص صبح کے وقت تین مرتبہ اَعُوْذُ بِاللّٰہِ السَّمِیْعِ الْعَلِیْمِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ کے بعد ایک مرتبہ سورہ حشر کی آخری آیات: هُوَ اللّٰهُ الَّذِیْ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ عٰلِمُ الْغَیْبِ وَالشَّهَادَةِ ۚ هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِیْمُ. هُوَ اللّٰهُ الَّذِیْ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ السَّلٰمُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَیْمِنُ الْعَزِیْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ ؕ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا یُشْرِكُوْنَ. هُوَ اللّٰهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى ؕ یُسَبِّحُ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ. تک پڑھ لے تو اللہ تعالیٰ ستر (۷۰) ہزار فرشتے اور جو شام کو پڑھ لے تو صبح تک ستر ہزار فرشتے رحمت کی دعا کریں گے۔''

''ابو ان آیات میں اللہ تعالیٰ کیا فرماتے ہیں۔'' ''بیٹا! ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے اپنی بڑائی ہی بڑائی بیان فرمائی ہے، کہ میں ہی رب ہوں۔ میرے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ میں ہر چیز جانتا ہوں۔ چاہے وہ ظاہر ہو یا چھپی ہوئی ہو، رحم کرنے والا ہوں۔ میں سلامتی اور امن دینے والا، بادشاہ ہوں۔ اور ہر عیب سے پاک ہوں۔'' ارشد ٹکٹکی باندھے سنے جا رہا تھا۔

''ابو! ہمارے اللہ ایسے ہیں جو ہر عیب سے پاک ہیں۔ میں اب قرآنِ کریم اور زیادہ محنت سے پڑھوں گا اور ہر حال میں نماز کی پابندی کروں گا۔ اِنْ شَآءَ اللّٰہ تعالیٰ۔'' ارشد کے اس طرح کہنے پر امی کو اس پر پیار آ گیا اور امی نے اسے چوم لیا۔

رکوع اور سجدہ کی دُعا

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم رکوع اور سجدوں میں یہ کلمات پڑھتے تھے۔

سُبُّوْحٌ قُدُّوْسٌ رَبُّ الْمَلٰٓئِکَةِ وَالرُّوْحِ

ترجمہ: بہت زیادہ تعریف اس کے لیے جو ہر عیب سے پاک ہے۔ فرشتوں کا رب ہے۔

اہم باتیں

ہم اَلْقُدُّوْسُ جَلَّ جَلَالُہٗ کی پاکی کو بیان کریں کہ اللہ تعالیٰ ہر طرح کے عیب سے پاک ہے، وہ اکیلا ہے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک کرنے کا عیب لگانا تو بہت بڑا گناہ ہے۔

سورۂ حشر کی جو آیات اوپر لکھی گئی ہیں اسے یاد کر کے روزانہ صبح و شام پڑھنے کا اہتمام کیا جائے۔

رکوع، سجدوں اور وتر میں پڑھے جانے والے جو کلمات ذکر کیے گئے ہیں انہیں یاد کر کے انہیں پڑھنے کی عادت بنانی چاہیے۔

ہم کام کرنے سے عاجز ہو جائیں، فوراً اَلْقُدُّوْسُ جَلَّ جَلَالُہٗ کی طرف متوجہ ہوں اور پیارے اللہ سے کہیں کہ اے اللہ! آپ تو ہر عیب سے پاک ہیں، آپ میرا یہ کام آسان فرما دیجیے۔

☆☆☆

باکسنگ یعنی مکے بازی زمانہ قدیم سے کھیلا جانے والا مشہور ترین کھیل ہے۔ اس کی تاریخ اتنی ہی قدیم ہے، جتنی انسانی تاریخ میں کھیلوں کی ابتداء۔ کہا جاتا ہے کہ باکسنگ کے کھیل کا آغاز مصر سے ہوا۔ یہ کھیل رومیوں اور یونانیوں کا بھی پسندیدہ رہا ہے۔ بعد میں انگلستان نے اس کھیل کی سرپرستی کی اور گزشتہ صدی کے اوائل میں امریکہ نے اس کھیل کو گود میں لے لیا، یوں یہ کھیل بام عروج پر پہنچ گیا۔ پروفیشنل کے علاوہ ایمچر باکسنگ کو بھی امریکیوں نے خاصا فروغ دیا۔ ایمچر باکسنگ کی بنیاد جارحانہ انداز کے برعکس، ذاتی دفاع (Self Defence) پر رکھی گئی۔ باکسنگ کی تاریخ ظاہر کرتی ہے کہ ایمچر باکسنگ 1730ء سے 1750ء قبل مسیح کے دوران رومیوں اور یونانیوں کا مقبول ترین کھیل تھا۔ بعد ازاں انگلستان میں اسے شوقیہ کھیل کے طور پر اپنایا گیا جب کہ امریکہ میں اس کھیل کو عروج ملا۔

ایک انگریز جیک بروٹن نامی شخص نے اس کھیل کے قوانین میں بنیادی اور اہم تبدیلیاں کرتے ہوئے وحشیانہ انداز کے مکے بازی کو ختم کر دیا۔ جیک بروٹن نے نئے قوانین مرتب کیے جنہیں ''لندن پرائزرنگ رولز'' کہا جاتا ہے۔ قدیم اولمپکس جو 686 قبل مسیح کھیلے گئے، باکسنگ کو پہلی بار شامل کیا گیا۔ ان کھیلوں میں باکسروں کو سر پر حفاظتی ٹوپی اور ہاتھ میں چمڑے کے دستانے پہنائے گئے۔ تاہم ایتھنز میں 1896ء میں ہونے والے پہلے جدید اولمپکس میں باکسنگ کا آغاز 1904ء میں سینٹ لوئس کے مقام پر ہوا۔ ان کھیلوں میں خواتین کی باکسنگ کو بھی علامتی طور پر شامل کیا گیا۔ ان اولمپکس میں سات ویٹ کیٹگری کے مقابلے ہوئے۔

برطانیہ کے علاقے آکسفورڈ شائر سے تعلق رکھنے والے باکسر جیمس فگ کو دنیا کا اوّلین باکسنگ چیمپئن قرار دیا جاتا ہے۔ باقاعدہ گلوز اور کوئنز بری قوانین کے تحت پہلی باکسنگ چیمپئن شپ امریکہ کے شہر نیویارک میں 30 جولائی 1884ء کو منعقد ہوئی۔ اس فائٹ میں جیک ڈمپسے اور جارج فل جیمس مد مقابل تھے۔ مقابلہ فل جیمس نے جیتا۔ امریکی نیشنل باکسنگ ایسوسی ایشن (این بی اے) کا قیام 1920ء میں عمل میں آیا۔ برٹش باکسنگ بورڈ (بی بی بی) 1929ء میں تشکیل دیا گیا۔ ورلڈ باکسنگ ایسوسی ایشن (ڈبلیو بی اے) 1962ء میں قائم ہوئی۔ گلوز کے ساتھ باکسنگ مقابلوں میں طویل ترین فائٹ 7 گھنٹے 19 منٹ پر محیط تھی۔ اس میں جیک برک نے اینڈ بوون کو شکست دی۔ سب سے زیادہ راؤنڈ کے مقابلے کا دستیاب ریکارڈ 1825ء کا ہے جس میں جیک جونز اور پسلے ٹوئی کے درمیان 276 راؤنڈ کا مقابلہ ہوا۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ یہ طویل ترین فائٹ غیر نتیجہ خیز رہی جب کہ مختصر ترین وقت میں مقابلہ جیتنے کا ریکارڈ مائیک کولنز کے نام ہے جس نے پیٹ براونسن

کو رنگ میں داخل ہوتے ہی پہلے پنچ پر ڈھیر کر دیا۔ باکسنگ کی جدید تاریخ میں محمد علی کلے اور جوفریزیئر کی فائٹ یادگار کہی جاتی ہے۔ اس میں محمد علی کلے نے جوفریزیئر کو سنسنی خیز مقابلے میں ناک آؤٹ کر دیا تھا۔

وطن عزیز پاکستان میں باکسنگ کا کھیل، ان چند کھیلوں میں شامل ہے جس میں باکسروں نے کئی مواقع پر ملک کا نام روشن کیا ہے۔ فٹ بال کی طرح اس کھیل کو بھی یہاں غریب طبقے میں مقبولیت حاصل ہے۔ سہولتوں کی عدم فراہمی کے باوجود غریب باکسروں نے ایشین گیمز، ایشین چیمپئن شپ، کامن ویلتھ گیمز اور دیگر علاقائی و بین الاقوامی مقابلوں میں پاکستان کا نام روشن کیا ہے۔ ملک میں پہلی قومی چیمپئن شپ 1948ء میں کراچی میں منعقد ہوئی۔ پھر تقریباً ہر سال یہ چیمپئن شپ منعقد ہونے لگی۔

عالمی سطح پر پاکستانی باکسر نے اپنے کارناموں کا آغاز 1962ء میں جکارتہ میں ایشین گیمز سے کیا جب ہیوی ویٹ باکسر برکت علی اور لائٹ ویٹ محمد صفدر نے دو طلائی تمغے جیتے۔ ایک سال بعد پہلی ایشین چیمپئن شپ میں جو 1963ء میں بنکاک میں ہوئی، تین پاکستانی باکسروں مڈل ویٹ سلطان محمود، لائٹ ہیوی ویٹ برکت علی اور ہیوی ویٹ عبدالرحمٰن نے طلائی تمغے حاصل کیے۔ 1967ء میں ہونے والے انٹرنیشنل ٹورنامنٹ جکارتہ میں وحید میر نے سونے کا تمغہ جیتا۔ کامیابیوں کا یہ سلسلہ جاری تھا کہ 1970ء میں ایڈنبرا میں 9 ویں کامن ویلتھ گیمز میں فیدرویٹ محمد میر نے ملک کے لیے پہلا کانسی کا تمغہ حاصل کیا۔ کامن ویلتھ گیمز کا دوسرا کانسی کا تمغہ ارشد حسین نے 1994ء کے گیمز میں حاصل کیا جب کہ چاندی کا تمغہ 16 ویں کامن ویلتھ گیمز کوالالپور میں لائٹ ویٹ اصغر علی شاہ نے حاصل کیا۔ پاکستان کے لیے اولمپکس میں واحد کانسی کا تمغہ سید حسین شاہ نے 1988ء کے سیئول اولمپکس میں جیت کر حاصل کیا تھا۔ یوں حسین شاہ پاکستان کے ہی نہیں بلکہ عالم اسلام کے پہلے باکسر بن گئے جنھوں نے اولمپکس میں پہلی مرتبہ کوئی تمغہ جیتا۔

پاکستان نے بھارت کے خلاف پہلی سیریز 1953ء میں بمبئی اور کلکتہ میں کھیلی جس میں بھارت نے کامیابی حاصل کی۔ بھارت کے جوابی دورے کے دوران 1953ء ہی میں پاکستان کو کراچی میں شکست کا سامنا کرنا پڑا۔ اسی سال برما کے باکسروں نے بھی پاکستان کا دورہ کیا لیکن انہیں سخت مقابلے کے بعد ایک فائٹ کے فرق سے شکست کا سامنا کرنا پڑا۔ پاکستان نے 1961ء میں سری لنکا کا دورہ کیا اور وہاں کی قومی چیمپئن شپ میں حصہ لیا جہاں انہیں مکمل طور پر برتری رہی۔

پاکستان میں پہلا بین الاقوامی ٹورنامنٹ قائداعظم کے صد سالہ یوم پیدائش پر کراچی میں 1976ء میں ہوا، جس میں پاکستان کی تین ٹیموں کے علاوہ رومانیہ، انڈونیشیا، لیبیا کے باکسروں نے حصہ لیا۔ دوسرا بین الاقوامی ٹورنامنٹ 1978ء میں کراچی میں ہوا جس میں پاکستان سمیت تھائی لینڈ اور اردن کی ٹیموں نے شرکت کی۔ بارہ سال کے طویل وقفے کے بعد پہلی کے ای ایس سی انٹرنیشنل چیمپئن شپ 1990ء میں کراچی میں منعقد ہوئی جس میں پاکستان کے علاوہ انڈونیشیا، کویت، نیپال، سری لنکا اور جنوبی کوریا کے باکسروں نے شرکت کی۔ دوسری کے ای ایس سی انٹرنیشنل چیمپئن شپ کا انعقاد 1962ء میں کراچی میں ہوا، جس میں پہلی بار بڑی تعداد میں غیر ملکی ٹیموں نے حصہ لیا۔ پاکستان سمیت بارہ ممالک کے باکسروں میں پاکستانی باکسروں کو برتری حاصل رہی۔ یہ سلسلہ 1994ء اور 1995ء میں بھی جاری رہا۔ کے پی ٹی نے بین الاقوامی جونیئر اور کیڈٹ باکسنگ ٹورنامنٹ کا انعقاد 1996ء میں کیا جو دنیا کا پہلا جونیئر ٹورنامنٹ تھا۔ اس میں 19 سال سے کم عمر کے باکسروں نے شرکت کی۔ اس ٹورنامنٹ میں 17 ممالک کے باکسروں نے حصہ لیا۔ پاکستان کی گولڈن جوبلی کے موقع پر 1997ء میں قائداعظم انٹرنیشنل باکسنگ ٹورنامنٹ کا انعقاد کراچی میں ہوا جس میں کئی غیر ملکی ٹیموں نے شرکت کی۔

پاکستان نژاد باکسر عامر خان نے 24 جولائی 2011ء میں امریکہ کے تجربہ کار فائٹر زیب جوڈا کا غرور خاک میں ملا دیا تھا۔ عامر خان کے آہنی مکوں سے میزبان حریف پانچویں ہی راؤنڈ میں ناک آؤٹ ہوگیا تھا۔ یوں انٹرنیشنل باکسنگ فیڈریشن کا لائٹ ویلٹر ویٹ ٹائٹل بھی عامر خان کے نام ہوگیا۔ عامر خان پہلے ہی ورلڈ باکسنگ ایسوسی ایشن کا لائٹ ویلٹر ویٹ بیلٹ اپنے نام کر چکے ہیں جبکہ اولمپکس میں انہوں نے سلور میڈل جیتا تھا۔

☆......☆......☆

آئیے عہد کریں!

دونوں دوست اسکول سے واپسی پر بہت تھکے ہوئے تھے۔ دوپہر کی چلچلاتی دھوپ تھی۔ ان کے کندھوں پر بھاری بھرکم بستے بھی لدے ہوئے تھے۔ کاشف نے سہیل سے کہا۔ ''یار ایک تو گرمی اور اوپر سے ہم نے کتابوں کا اتنا بڑا بوجھ اٹھا رکھا ہے۔ میں تو تھک گیا ہوں۔'' ''کوئی بات نہیں ہم تندرست اور جوان ہیں ہمیں ہمت سے کام لینا چاہیے۔'' دور سے انہیں ایک بوڑھا آدمی نظر آیا جس کی کمر جھکی ہوئی تھی۔ ہاتھ میں لاٹھی تھی اور اس کے پاس ایک وزنی گٹھڑی تھی۔ وہ بہت دقت سے چل رہا تھا اور تھک کر فٹ پاتھ کے کنارے پر بیٹھ گیا۔ کاشف اور سہیل اس کے پاس سے تیزی سے گزر گئے۔ اچانک کسی خیال کے تحت سہیل رُکا اور پیچھے کی طرف مڑا اور بوڑھے بزرگ آدمی کے پاس کھڑا ہو گیا۔ ''باباجی! لائیے اپنی گٹھڑی مجھے دے دیں، میں اٹھا لیتا ہوں اور آپ کے گھر تک چھوڑ آتا ہوں۔'' ''نہیں بیٹا! تم لوگ جاؤ۔ میں ٹھیک ہوں۔'' بوڑھے بزرگ نے کراہتے ہوئے کہا۔

سہیل نے زبردستی باباجی کی گٹھڑی اٹھائی تو کاشف کہنے لگا کہ ہمارے پاس پہلے ہی اتنے وزنی بستے ہیں اور اتنی شدید گرمی میں تم نے مزید وزن اٹھا لیا ہے۔ سہیل نے کہا۔ ''کاشف یاد ہے ماسٹر جی نے ایک دفعہ بزرگوں اور بوڑھے لوگوں کی عزت اور ان کی مدد کرنے پر ایک لیکچر دیا تھا۔ انہوں نے ایک حدیث کا حوالہ دیتے ہوئے کہا تھا کہ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ حضورؐ نے ارشاد فرمایا: ''جس جوان نے کسی بوڑھے شخص کی اس کے بڑھاپے کے سبب تعظیم و تکریم کی، اللہ تعالیٰ اس کے بڑھاپے کے لیے ایسے شخص کو مقرر کرے گا جو اس کی تعظیم و تکریم کرے گا۔''

کاشف بہت نادم ہوا۔ اس نے عہد کیا کہ وہ بوڑھے اور بزرگوں کی تعظیم کرے گا اور ان کی مدد بھی کیا کرے گا۔

شاباش ان بچوں نے بھی عہد کیا کہ وہ چھوٹے بچوں پر شفقت کریں گے۔

حذیفہ، محمد وارث، نبیل، عائشہ کرن، زرتاشہ گل، نبیلہ انجم، فرح نورین، وقار ساحر، دریا خان، محمد اجمل شاہین، لاہور۔ صالحہ انجم، گاؤں چمن کوٹ۔ محمد شہریار اظہر، اسلام آباد۔ نور زیب خان، کراچی۔ اقراء خان، صادق آباد۔ محمد شیراز، باسی والا گوجرانوالہ۔ محمد احمد خان غوری، بہاول پور۔ عشاء سعید، ٹوبہ ٹیک سنگھ۔ فضاء سکندر، سرگودھا۔ سید اعتصام حیدر، راول پنڈی۔ محمد حنظلہ سعید، فیصل آباد۔ راجہ ثاقب محمود، پنڈ دادنخان۔ عقیل شرافت، سرائے عالم گیر۔ شاہد سلیم، کچا موڑ۔ ارسلان، محمد صدیق، کراچی۔ محمد عبید سومرو، تربیلا ڈیم۔ ثمرہ طارق بٹ، کرن فاروق، عاصم طفیل، انیس الرحمٰن، گوجرانوالہ۔ محمد صادق علی، کوٹری۔ علینہ احمد، ازکیٰ رحمان، راول پنڈی۔ وردہ شہزاد، جہلم۔ ایمان کشمائل، فیصل آباد۔ عروب ملک، مقدس خان، شازیہ ریحان، لاہور۔ محمد عرفان اقبال، دنیا پور۔ فائزہ امین، فضیلہ منظور، کراچی۔ شامیر شہزاد، دینہ۔ بلال احمد حمید، سمندری۔ مہد نسیم، ایبٹ آباد۔

اوجھل خاکے
یہ چیزیں خاکے میں چھپی ہوئی ہیں۔ آپ ان چیزوں کو تلاش کیجیے اور شاباش لیجیے۔
Crayon
Crayon

ف	ک	ت	ل	ا	ب	ج	د	م	ش
م	ر	ق	د	ص	ء	ہ	ب	د	ص
و	ن	ء	ن	ا	ک	ج	پ	م	ا
ک	ا	چ	ے	ذ	ض	م	ر	ا	ط
ش	خ	ف	ط	گ	ل	ع	ض	غ	ف
ا	ن	ش	ی	و	ز	ا	ب	ء	و
ن	د	غ	ل	ح	ٹ	غ	ن	ک	ط
گ	خ	ت	د	ڈ	ن	ج	گ	ر	ج
ل	س	ط	ع	ف	ی	م	ڈ	ف	ص
ی	ے	د	ر	گ	ش	گ	ن	ا	ٹ

آپ نے حروف ملا کر دس چیزوں کے نام تلاش کرنے ہیں۔ آپ ان ناموں کو دائیں سے بائیں، بائیں سے دائیں، اُوپر سے نیچے اور نیچے سے اُوپر تلاش کر سکتے ہیں۔ آپ کے پاس وقت دس منٹ کا ہے۔ جن ناموں کو آپ نے تلاش کرنا ہے وہ یہ ہیں۔

ناک، ناخن، دماغ، بازو، دل، جگر، گردے، انگلی، بال، ٹانگ

بابو جمال الدین آج دفتر سے آئے تو سیدھے اپنے کمرے میں چلے گئے۔ نہ انہوں نے اپنی چہیتی بیٹی بانو کو آواز دی، نہ بہو سے کوئی بات کی۔ اس طرح گھر میں داخل ہونا اور سیدھے اپنے کمرے میں چلے جانا ان کی عادت کے خلاف تھا۔ بہت تھکے ہوئے ہونے کی صورت میں بھی وہ کچھ دیر بانو سے باتیں ضرور کرتے تھے، بیوی کا حال احوال پوچھتے تھے اور پھر اپنے کمرے میں جاتے تھے۔ یہاں تک کہ بانو سوئی ہوئی ہوتی تو بیوی کے منع کرنے کے باوجود اسے جگا دیتے۔ آج یہ نرالی بات ہوئی تو بیوی بہت حیران ہوئیں۔ وہ باورچی خانے کے سامنے بیٹھی آٹا گوندھ رہی تھیں۔ ہاتھوں پر لگا ہوا آٹا صاف کرتی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئیں اور کمرے میں آکر بولیں:

''خیریت تو ہے؟ آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے نا؟''

''ہاں، ٹھیک ہی ہوں۔ بس ذرا طبیعت کچھ اداس سی ہے۔'' بابو صاحب نے پلنگ پر لیٹتے ہوئے کہا۔

بیوی کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولیں: ''آج تو آپ کو اداس نہیں ہونا چاہیے۔ آج تو ماشاء اللہ ہمارے شیخو بابا کا نتیجہ آرہا ہے۔''

''ہمیں معلوم ہے لیکن ہم اداس اس لیے ہیں کہ اس سے پہلے ہمارا نتیجہ آگیا ہے۔''

''آپ نے بھی کوئی امتحان دیا تھا؟''

''امتحان تو نہیں دیا تھا لیکن ہمارے دشمنوں نے جس امتحان میں ڈال رکھا ہے، اس کا نتیجہ آگیا ہے۔ خدا سے دُعا کرو کہ ہماری مدد کرے۔'' یہ کہہ کر بابو صاحب نے رومال سے آنکھیں پونچھیں اور ٹھنڈا سانس لے کر کروٹ بدل لی۔

بیوی ان کی یہ حالت دیکھ کر گھبرا گئیں، کرسی آگے کھسکاتے ہوئے بولیں: ''اللہ خیر کرے! آپ تو بہت زیادہ پریشان لگ رہے ہیں۔ کیا دفتر میں کوئی خاص بات ہوئی ہے؟''

''دفتر میں تو نہیں، لیکن ہماری زندگی میں ایک خاص بات ضرور ہوئی ہے۔ ہمارے مہربان چودھری صاحب آخر اپنی اس کوشش میں کام یاب ہو گئے کہ ہمیں مجرم ثابت کر کے جیل بھجوا دیں۔ تم یوں کرو، سوٹ کیس میں کپڑوں کے دو چار جوڑے اور چند ضروری چیزیں رکھ دو۔ ہم گرفتار ہونا نہیں چاہتے۔ کچھ دن کہیں چھپے رہیں گے اور اگر حالات ٹھیک ہو گئے تو گھر لوٹ آئیں گے۔ نہ ٹھیک ہوئے تو تمہیں اور بچوں کو خدا کے سپرد کیا۔''

"ہائے اللہ! یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟ میں ابھی اس موئے چودھری کی بیوی سے بات کرتی ہوں۔ کوئی ہمسایوں کے ساتھ بھی ایسا سلوک کرتا ہے؟ اگر شیخو بابا سے اس کے بیٹے کا جھگڑا ہو گیا تھا تو کون سی قیامت آ گئی تھی۔ بچوں میں ایسی باتیں ہوتی ہی رہتی ہیں۔"

"تم فضول باتوں میں مت اُلجھو۔ جو ہم نے کہا ہے وہ کرو۔ یہ بات ہمارے لیے موت سے بدتر ہوگی کہ پولیس ہتھکڑیاں لگا کر تھانے لے جائے اور پھر مار پیٹ کر یہ اقرار کرائے کہ ہم واقعی ہیروئن بیچتے ہیں۔"

"تو کیا اس نامراد نے آپ پر ہیروئن بیچنے کا الزام لگایا ہے؟"

"الزام ہی نہیں لگایا، الزام ثابت بھی کر دیا ہے۔ ہمارے ایک دوست نے جو پولیس میں ملازم ہے، ہمیں بتایا ہے کہ ہمارے وارنٹ نکل چکے ہیں اور پولیس ہمیں گرفتار کرنے کے لیے آنے ہی والی ہے۔ تم جلدی سے سوٹ کیس تیار کر دو۔ ہم فوراً جانا چاہتے ہیں۔"

"لیکن آپ جائیں گے کہاں؟"

"جہاں خدا لے جائے گا۔ اس وقت تو ذہن میں بس یہی بات ہے کہ ہمیں فوراً یہاں سے چلے جانا چاہیے۔"

"لیکن اس طرح تو ثابت ہو جائے گا کہ آپ واقعی مجرم ہیں۔ آپ اپنے گھر میں رہیے۔ میں آپ کو کہیں نہ جانے دوں گی۔ چودھری نے چاند پر تھوکا ہے۔ ان شاء اللہ اس کا تھوکا اسی کے منہ پر گرے گا۔ آخر خدا موجود ہے۔ اس کے ہوتے ایسے کس طرح ہو سکتا ہے؟"

"اس زمانے میں سب کچھ ہو سکتا ہے بیگم۔ تم ہمارا کہا مانو اور جلدی سے سوٹ کیس میں ضروری چیزیں رکھ دو۔"

"آپ کچھ بھی کہیں، میں آپ کو جانے نہ دوں گی۔ میں اپنے بھائی صاحب سے یہ بات کرتی ہوں۔ اللہ کے فضل سے وہ ایک بڑے تاجر ہیں۔ تھانے جا کر پولیس سے ملیں گے۔"

"تمہاری کوئی کوشش کامیاب نہ ہوگی بیگم۔ پولیس سے مل کر ہی تو اس شیطان نے یہ سارا چکر چلایا ہے۔"

"خیر، میں آپ کو گھر سے تو ہرگز نہ جانے دوں گی۔ یہ تو خود مجرم بن جانے والی بات ہوگی۔ جو سنے گا، یہی کہے گا کہ اگر بابو صاحب بے گناہ ہوتے تو گھر سے کیوں بھاگتے۔ میں ابھی بھائی صاحب کے پاس جا رہی ہوں۔"

بیوی کی یہ بات سن کر بابو صاحب خاموش ہو گئے اور بیوی برقع اوڑھ کر باہر نکل گئیں۔

بابو صاحب کی بیوی کے بھائی حاجی علیم الدین بہت امیر آدمی تھے۔ شہر کے سب سے بڑے اور مشہور بازار میں ان کی بہت بڑی دکان تھی۔ حاجی صاحب اب زیادہ تر گھر پر ہی رہتے تھے۔ دکان ان کے بیٹے چلا رہے تھے۔

بہن کو دیکھا تو حاجی صاحب چونک کر بولے: "ارے! گڈو بہن، تم اس وقت اور اکیلی؟ خیریت تو ہے؟"

"خیریت کہاں ہے، بھائی جان! بڑی سخت مصیبت میں پھنس گئے ہیں ہم لوگ۔"

"اللہ پاک تمہاری حفاظت فرمائے، عزیز بہن۔ آؤ، یہاں ہمارے پاس بیٹھو اور ہمیں پوری بات بتاؤ۔ کہیں وہ تمہارے ہمسائے چودھری والا جھگڑا تو نہیں ہے؟"

"جی، وہی ہے۔ اس شیطان نے پولیس سے مل کر بابو جی کے وارنٹ نکلوا دیے ہیں۔ الزام لگایا ہے کہ وہ ہیروئن بیچتے ہیں۔"

"لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰہ۔" حاجی صاحب سنبھل کر بیٹھ گئے، سر جھکا کر کچھ دیر سوچتے رہے، پھر بولے: "یہ تو بہت زیادتی ہے۔ ایسے شریف آدمی پر ہیروئن جیسی ناپاک چیز بیچنے کا الزام لگاتے ہوئے اس کو شرم نہ آئی؟ ویسے گڈو بہن، اس میں کچھ قصور تم لوگوں کا بھی ہے۔ جب معلوم تھا کہ ہمسایہ شریف آدمی نہیں ہے تو اپنے بیٹے کو روکا کیوں نہیں، اس کے بیٹے کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے سے؟ اور اگر ان دونوں میں لڑائی ہو گئی تھی تو تمہارے بابو صاحب کیوں کود پڑے اس لڑائی میں؟ بچوں کی لڑائی میں بڑوں کو نہیں بولنا چاہیے۔"

"بھائی جان، وہ کہاں بولے بچوں کے جھگڑے میں۔ وہ تو اس وقت آگے آئے جب اس چودھری نے شیخو کو مارا۔ حال آں کہ زیادتی سراسر اس کے بیٹے کی تھی۔ آپ جانتے ہیں، شیخو غریب تو اللہ میاں کی گائے ہے۔ لڑنا جھگڑنا جانتا ہی نہیں۔"

حاجی صاحب کچھ کہنا چاہتے تھے کہ ٹیلیفون کی گھنٹی بجی۔

دوسری طرف سے شیخو بولا: ''ماموں جان، امی سے کہیے جلدی گھر آ جائیں۔ پولیس والے ابا جی کو تھانے لے گئے ہیں۔''

''اوہ!'' حاجی صاحب نے گھبرا کر کہا۔ ''اچھا بیٹے، ہم تھانے پہنچ رہے ہیں۔ تم گھبرانا مت، تمہاری امی گھر آ رہی ہیں۔'' انہوں نے ریسیور رکھ دیا اور اٹھتے ہوئے بولے۔ ''گڈو، تم جلدی گھر پہنچو۔''

حاجی صاحب کار میں بیٹھ کر تھوڑی دیر بعد ہی تھانے پہنچ گئے۔ وہاں ایک حوالدار میز پر جھکا کچھ لکھ رہا تھا۔ حاجی صاحب نے سلام کیا تو اس نے جواب بھی نہ دیا اور نہ ان کی طرف دیکھا۔ وہ خاموشی سے ایک خالی کرسی پر بیٹھ گئے۔

حوالدار کافی دیر اسی طرح سر جھکائے لکھتا رہا۔ پھر سر اٹھا کر بہت غرور سے بولا: ''فرمائیے! کیسے تشریف لائے؟''

''آپ کے آدمی کچھ دیر پہلے بابو جمال الدین صاحب کو تھانے لائے ہیں۔''

''پھر؟ آپ کو کچھ اعتراض ہے اسے یہاں لانے پر؟'' حوالدار نے کہا۔

''جی، اعتراض تو ہے۔ آپ ایک شریف آدمی کو پکڑ لائے ہیں۔ یہ کچھ اچھی بات نہیں۔ مہربانی کر کے انہیں چھوڑ دیجیے۔''

''وہ جیسا شریف آدمی ہے، ہم اچھی طرح جانتے ہیں۔ آپ اپنی شرافت کی حفاظت کیجیے اور یہاں سے چلے جائیے۔ ایسا نہ ہو کہ آپ کو بھی حوالات میں بند کرنا پڑے۔''

''آپ کو عزت دار شہریوں سے اس طرح بات نہیں کرنی چاہیے، حوالدار صاحب۔'' حاجی صاحب کی آواز میں کسی قدر غصہ تھا۔

حوالدار انہیں گھورتے ہوئے بولا: ''یقین ہے آپ بھی ویسے ہی عزت دار ہوں گے جیسا وہ ہیروئن فروش ہے۔ چور کا گواہ گرہ کٹ۔ نور بخشا! ذرا دیکھنا تو اس گروہ کے لوگوں کی تصویروں میں ان عزت دار صاحب کی تصویر تو شامل نہیں؟''

''بہتر حضور، ابھی دیکھتا ہوں۔'' ایک سپاہی نے اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے کہا۔ سپاہی کے ساتھ ہی حاجی صاحب بھی کرسی سے اٹھ گئے اور تیز آواز میں بولے: ''لگتا ہے پولیس میں بھرتی کرنے والوں سے غلطی ہوئی ہے جو آپ کو اس محکمے میں بھرتی کر لیا ہے۔ میں ابھی اوپر کے افسروں سے ملتا ہوں اور انہیں بتاتا ہوں کہ تھانے میں کس قسم کے لوگ بیٹھے ہیں۔''

''اچھا، یہ بات ہے؟ تو اوپر کے افسروں سے ملے گا؟ لیکن یہ تو اس وقت ہو گا جب تو یہاں سے جائے گا۔ انور علی! بند کرو اس بڈھے کو بھی اس غنڈے کے ساتھ۔''

ایک موٹا تازہ سپاہی حاجی صاحب کی طرف بڑھا، لیکن اس سے پہلے کہ وہ ان کا ہاتھ پکڑتا، تھانے دار صاحب کمرے میں داخل ہوئے اور بولے: ''کسے حوالات میں بند کرا رہے ہو، حوالدار صاحب؟''

''مجھے، جناب!'' حاجی صاحب نے آگے بڑھ کر کہا۔

''جی، میں نے اسی کو حوالات میں بند کرنے کا حکم دیا تھا۔ آج ہم نے ہیروئن بیچنے والوں کے سردار کو پکڑا ہے، اور یہ اس کا ساتھی ہے۔'' حوالدار کرسی سے اٹھتے ہوئے بولا۔

تھانے دار صاحب آگے بڑھ کر اس کرسی پر بیٹھ گئے جس پر حوالدار بیٹھا تھا اور میز پر بکھرے ہوئے کاغذ سمیٹتے ہوئے بولے: ''تو گویا آپ اپنے زمانے کے شرلاک ہومز بن گئے ہیں، اور بڑے بڑے کارنامے انجام دینے لگے ہیں لیکن اب یوں کیجیے کہ جب تک ہم دوسرا حکم نہ دیں، اس کمرے سے باہر نہ جائیے۔ ہم ابھی بتاتے ہیں کہ ہیروئن فروخت کرنے والوں کا سردار کون ہے اور اس سے آپ کا کیا رشتہ ہے۔''

یہ کہہ کر تھانے دار صاحب نے حاجی صاحب کی طرف دیکھا اور بہت ادب سے بولے:

''حاجی صاحب قبلہ، اس شخص نے آپ کے ساتھ جو بدتمیزی کی ہے، اس کے لیے میں معافی چاہتا ہوں۔ آپ تشریف رکھیے۔ بابو جمال الدین صاحب واقعی شریف آدمی ہیں۔ میں انہیں ابھی آپ کے ساتھ بھیج دیتا ہوں۔'' یہ کہہ کر تھانے دار صاحب نے ایک سپاہی کو حکم دیا: ''دیکھو، بابو صاحب کو یہاں لے آؤ۔ جاؤ!''

''لیکن سر! لیکن جناب!'' حوالدار منمنایا۔ ''جناب عالی، وہ واقعی ایک بہت بڑا غنڈہ ہے۔ اس کے خلاف پکے ثبوت ملے ہیں۔''

''خاموش!'' تھانے دار صاحب نے حوالدار کو ڈانٹ پلائی۔ ''تم لوگ جس طرح پکے ثبوت اکٹھے کرتے ہو، ہم خوب جانتے ہیں اور یہ

بات تمہیں ابھی معلوم ہو جائے گی کہ پکا ثبوت کسے کہتے ہیں۔''

حاجی صاحب حیران ہو کر تھانے دار صاحب کی طرف دیکھ رہے تھے۔ تھانے دار صاحب نے ایک کاغذ پر کچھ لکھنے کے بعد ان کی طرف دیکھا اور بولے: ''محترم حاجی صاحب، ہم آپ کو مبارک باد دیتے ہیں کہ اللہ پاک نے آپ کو ایسا اچھا بھانجا دیا۔ یوں سمجھئے کہ آپ کے بہنوئی، بلکہ آپ کے پورے خاندان کی عزت اس بچے ہی کی وجہ سے بچی۔ کیا نام ہے اس کا؟ شینو بابا؟ یہی نام ہے نا؟''

''جی، یہ تو پیار کا نام ہے۔ اس کا اصلی نام شبیر علی ہے لیکن یہ تو فرمائیے، اس کی وجہ سے اس کے باپ کی اور ہم سب کی عزت کیسے بچی؟''

''سنیے، یہ سب کچھ کس طرح ہوا۔ بات یہ ہے کہ ہم شہر کے اسی محلہ میں رہتے ہیں جس میں آپ کے بہنوئی بابو جمال الدین صاحب رہتے ہیں اور صبح کی نماز محلے کی مسجد ہی میں پڑھا کرتے ہیں۔ آپ کا شینو بابا بھی پابندی سے صبح کی نماز میں شریک ہوتا ہے۔ ہم نے جب پہلی بار ایک صاف ستھرے، پیارے سے بچے کو صبح کی نماز مسجد میں پڑھتے ہوئے دیکھا تو ہمیں بہت خوشی ہوئی۔ ہم نے دل ہی دل میں اس کے ماں باپ کی تعریف کی اور یہ معلوم کیا کہ وہ کہاں رہتے اور کیا کرتے ہیں۔''

''اور ہمارا خیال ہے آپ بابو جمال الدین کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے ہوں گے۔'' حاجی صاحب نے کہا۔

''ہاں، انہیں دیکھ کر اور ان کے بارے میں جان کر ہم بہت خوش ہوئے۔ بات یہ ہے کہ پولیس افسر ہونے کی وجہ سے اپنے علاقے کے لوگوں کے حالات جاننا بہت ضروری بات ہے۔ اس طرح غنڈوں اور شریفوں کی پہچان ہو جاتی ہے۔ بہر حال، ہم بابو صاحب اور ان کے بیٹے کو بہت اچھا سمجھتے تھے۔ پھر ایسا ہوا کہ ایک دن ہمارے تھانے میں یہ ذکر ہوا کہ بابو جمال الدین نامی ایک سرکاری ملازم ہیروئن فروخت کرنے والوں کے گروہ میں شامل ہے۔ یہ سن کر ہم بہت حیران ہوئے اور کسی کو بتائے بغیر یہ فیصلہ کیا کہ اس معاملے کی تحقیق اس طرح کریں گے کہ ہمارے عملے کو بھی یہ بات معلوم نہ ہو۔ ہم نے اس حوال دار اور اس کے ساتھی سپاہیوں کے کام میں بالکل رکاوٹ نہیں ڈالی۔ انہیں ان کا کام کرنے دیا اور بابو صاحب کے بارے میں خود تحقیق کرتے رہے اور یہ جان کر ہمیں بے حد خوشی ہوئی کہ وہ تو اس سے بھی زیادہ اچھے ہیں جتنا اچھا ہم انہیں سمجھتے تھے۔ ساتھ ہی ہمیں یہ معلوم ہو گیا کہ اصل غنڈہ چودھری ہے۔ اسی نے اس حوال دار اور کچھ سپاہیوں کو ساتھ ملا کر بابو صاحب کو مجرم ثابت کیا ہے۔''

''خدا کی پناہ! پولیس کے محکمے میں بھی ایسے بُرے لوگ موجود ہیں!'' حاجی صاحب نے افسوس بھری آواز میں کہا۔

''بس، سبھی طرح کے لوگ ہیں پولیس میں بھی، جناب لیکن خدا کے فضل سے ہم جیسے بھی ہیں جو شریفوں کی عزت کرنا اور غنڈے بدمعاشوں کو پکڑنا اپنا فرض خیال کرتے ہیں۔ آپ یہ سن کر خوش ہوں گے کہ اس چودھری کو اس کے ساتھیوں سمیت گرفتار کر لیا گیا ہے۔ سپاہی ان کو لے کر آتے ہی ہوں گے۔''

تھانے دار صاحب کی بات ختم نہ ہوئی تھی کہ ایک جیپ تھانے کے احاطے میں داخل ہوئی اور سپاہیوں نے چودھری اور اس کے ساتھیوں کو نیچے اتارا۔ ان سب کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں لگی ہوئی تھیں۔

چودھری اور اس کے ساتھیوں کو اس حالت میں دیکھ کر حوال دار اور ان سپاہیوں نے وہاں سے کھسکنے کی کوشش کی جو چودھری کے ساتھ ملے ہوئے تھے، لیکن تھانے دار صاحب نے انہیں پکڑ کر حوالات میں بند کر دیا۔

وہ سپاہی جسے بابو صاحب کو لانے کے لیے بھیجا گیا تھا، انہیں ساتھ لے کر آ گیا تھا۔ تھانے دار صاحب نے انہیں بہت عزت اور محبت سے اپنے پاس بٹھایا، چائے پلائی اور پھر گھر جانے کی اجازت دے دی۔ جب وہ حاجی صاحب کی کار میں بیٹھ کر تھانے سے نکل رہے تھے، تھانے دار صاحب ان کی طرف دیکھتے ہوئے کہہ رہے تھے، ''خوش نصیب ہیں وہ ماں باپ جن کی اولاد نیک ہو، اور بد بخت ہیں وہ جن کی اولاد غلط کاموں میں پھنس جائے۔ بابو صاحب کو ان کے نیک بیٹے نے مصیبت سے بچا لیا اور چودھری کو اس کے بُرے بیٹے نے مصیبت میں پھنسا دیا۔''

☆......☆......☆

خدمت محبت

بعد از رات، سحر ہے — تاریکی کے بعد، بصر ہے
عدم کے کوچ کی فکر ہے — تو مسافر یہ راہ گزر ہے
مشکل پہ صبر نعمت پہ ترا شکر ہے — ہر شے میں تو ہر اک پر ترا اثر ہے
چاہے خوف چاہے ڈر ہے — ہر حال میں ''اللہ اکبر'' ہے
منزل انوار، جدال ہزار، تو عبدالکبار — رکھوالی وطن کر، دشمن تیز تر ہے
خدمت محبت عوض دعا — یہ جذبہ ترا ہنر ہے
بن سہارا، بے سہاروں کا — یہی ''حج اکبر'' ہے
پردہ قنوطیت سے نکل، ڈٹ جا — کہ مایوسی کفر ہے
عبادت رحمٰن، خدمت عبدالرحمٰن — یہی جوہر، یہی گوہر ہے

(بشیر احمد، مانسہرہ)

ہفتے کے دن

بات ہوئی ہے کھیر کی
ہو گی دعوت پیر کی
چرچا ہے جس دنگل کا
ہو گا وہ منگل کا
کیسے بیٹھے ہو بے سدھ
کام کرو آگے آج ہے بدھ
پاؤ گے اچھی سوغات
آنے تو دو جمعرات
گنتے تھے اک اک لمحہ
عبادت کا دن ہے جمعہ
دن گزرے رفتہ رفتہ
آ پہنچا آخر ہفتہ
ہوئی ہے کیسی بہار
کھیل کا دن ہے اتوار

(کشف طاہر، لاہور)

ایک خوبی ایسی

کسی نے حضرت جعفر برمکی رحمتہ اللہ علیہ سے پوچھا:
''آدمی میں کتنے عیب ہوتے ہیں؟''
جواب میں انہوں نے فرمایا:
''عیب تو بے شمار ہوتے ہیں لیکن ایک خوبی ایسی ہے کہ کسی آدمی میں ہو تو اس کے تمام عیب چھپ جاتے ہیں۔''
سوال کرنے والے نے کہا:
''اور وہ خوبی کیا ہے؟''
حضرت جعفر برمکی رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا:
''زبان پر قابو رکھنا۔''

(سیدہ وجیہہ بخاری)

اشتہار

پھلدار درختوں سے کسی نے پوچھا۔
''تم اپنی تعریف میں شور کیوں نہیں مچاتے۔ ہوائیں گزر جاتی ہیں لیکن تم اپنی شاخوں کو جھلاتے نہیں ہو کہ لوگ تمہاری طرف دیکھیں۔''
''ہمارا پھل ہی ہمارا اشتہار ہے۔'' درختوں نے جواب دیا۔

(سنبل ماہین طہٰ، سرگودھا)

اقوال زریں

☆ انسان کا دل توڑنے والا اللہ کو تلاش نہیں کر سکتا۔
☆ زندگی ایک امتحان ہے جس میں کامیاب ہونا انسان کا کام ہے۔
☆ دوست دو قسم کے ہوتے ہیں ایک وہ جو دوستی کرتے ہیں اور دوسرے وہ جو دوستی کرنا چاہتے ہیں مگر کر نہیں سکتے۔
☆ فاصلے جو برسوں میں نہیں مٹ پاتے کسی اپنے کی زیادتی کو معاف کر دینے سے پل بھر میں مٹ جاتے ہیں۔
☆ کام اور صرف کام ہی انسان کو بلندیوں پر پہنچاتا ہے۔
☆ سب سے عظیم انسان وہ ہے جو والدین کی خدمت کر کے دُعا لیتا ہے۔

(عبدالجبار رومی انصاری، لاہور)

انمول موتی

☆ تہمت لگانے والا جنت میں داخل نہ ہوگا۔ (نبی کریمؐ)
☆ اپنے ظاہر و باطن کو یکساں رکھو۔ (حضرت ابوبکر صدیقؓ)
☆ نیزے کا زخم بھر جاتا ہے لیکن زبان کا زخم نہیں بھرتا۔ (حضرت علیؓ)
☆ اگر تو گناہ کرنے پر آمادہ ہے تو ایسی جگہ تلاش کر جہاں خدا نہ ہو۔ (حضرت عثمان غنیؓ)

(عائشہ خان، علی پور)

سنہری باتیں

☆ سب سے زیادہ حسن اخلاق کی مستحق آپ کی ماں ہے۔ (الحدیث)
☆ اگر تمہارا کھانا حسب خواہش نہ ہو تو اسے برا نہ کہو۔ (الحدیث)
☆ بدترین انسان وہ ہے جو اپنے گھر والوں کو تنگ کرے۔ (الحدیث)
☆ علم بغیر عمل کے بے کار ہے۔ (حضرت ابوبکر صدیقؓ)

(عبدالمومن لاشاری، علی پور)

تکبر

حضرت شیخ شعبیؒ فرماتے تھے کہ پہلے زمانے میں ایک آدمی تھا، جب وہ چلتا تھا تو بادل اس کی بزرگی کے باعث اس پر سایہ کرتے تھے۔ ایک شخص نے اسے دیکھا تو کہا:
"بخدا میں بھی اس کے سائے میں چلوں گا۔ شاید مجھے بھی اس کی برکت حاصل ہو۔" اس آدمی نے جب لوگوں کو اپنے سایہ میں چلتے دیکھا تو دل میں غرور کیا۔ پھر جب دونوں آپس میں جدا ہوئے تو سایہ دوسرے شخص کے ساتھ چلا گیا۔ (امیز فاطمہ، عائشہ فاطمہ، گوجرانوالہ)

علم

☆ علم ایک ایسی شمع ہے جو جتنی جلتی ہے اتنی ہی زیادہ روشنی دیتی ہے۔
☆ علم کی طلب اور تلاش عبادت ہے۔
☆ علم دل کی روشنی اور آنکھوں کا نور ہے۔
☆ علم جنت کے راستوں کا نشان ہے۔
☆ علم دشمنوں پر تلوار ہے۔
☆ علم خوشی اور غم میں دلیل ہے۔

(ثمرہ طارق بٹ، آروپ)

حکمت کی باتیں

☆ زندگی اس طرح بسر کرو کہ دیکھنے والے تمہارے در پر افسوس کرنے کی بجائے تمہارے صبر پر رشک کریں۔
☆ آنسو بہاؤ، خوب بہاؤ یہ سوچ کر نہیں کہ ہماری خواہش پوری نہیں ہوتی بلکہ یہ سوچ کر کہ ہم اتنے گناہ گار ہیں کہ ہماری دعائیں خدا تک نہیں پہنچ رہی۔
☆ وقت، گاہک اور موت کسی کا انتظار نہیں کرتے۔
☆ غم پر اتنے آنسو نہ بہاؤ کہ خوشی کے وقت ایک آنسو بھی نہ نکلے۔
☆ اگر کسی پر احسان کرو گے تو اسے چھپا کر رکھا کرو اور جو کوئی تم پر احسان کرے تو اسے ظاہر کرو۔ (شہزادی خدیجہ شفیق، لاہور)

خوب صورت باتیں

☆ عالم وہی ہے جس کا اپنے علم پر عمل ہو۔ (حضرت علیؓ)
☆ فتح امید سے نہیں، علم اور خدا پر اعتماد سے حاصل ہوتی ہے۔
(حضرت عمر فاروقؓ)
☆ یقین محکم، اتحاد اور تنظیم کے اصولوں کو اپنا لیجیے، آپ دنیا میں معتبر بن جائیں گے۔ (حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ)
☆ وہ شخص سچ مچ عقل مند ہے جو غصہ کی حالت میں بھی بری بات منہ سے نہیں نکالتا۔ (شیخ سعدیؒ)
☆ دنیا میں سب سے اچھے کام دو ہیں۔ ایک تو اخلاق و کردار کی اصلاح، دوسرے علم کی روشنی پھیلانا۔ (حکیم محمد سعید)

(کرن فاروق، گوجرانوالہ)

چار چیزیں

☆ حضرت خواجہ فرید الدینؒ نے فرمایا: چار چیزوں کے بارے میں سات سو مشائخ سے سوال کیا گیا تو سب نے ایک ہی جواب دیا۔
1- سوال یہ ہوا کہ سب سے زیادہ عقل مند کون ہے؟
فرمایا: گناہوں کو چھوڑ دینے والا۔
2- سب سے دانا اور حکیم کون ہے؟
فرمایا: جو کسی چیز پر مغرور نہیں ہوتا۔
4- لوگوں میں سب سے زیادہ محتاج کون ہے؟
فرمایا: قناعت کو چھوڑ دینے والا۔
3- سب سے زیادہ مال دار اور غنی کون ہے؟
فرمایا: قناعت کرنے والا۔ (حوالہ: حالات فرید الدین گنج شکرؒ)

(حفصہ اعجاز، صوابی)

میری زندگی کے مقاصد
عنایہ افضل، واہ کینٹ
میں بڑی ہو کر ڈاکٹر بنوں گی اور غرباء کا مفت علاج کروں گی۔
ثقلین عباس، کوٹ اسلام
میں بڑا ہو کر کرکٹر بن کر ملک کا نام روشن کروں گا۔
عمر عابد، جھنگ
میں بڑا ہو کر فوجی بنوں گا اور ملکی سرحدوں کی حفاظت کروں گا۔
محمد جواد اسلم، لاہور
میں بڑا ہو کر پولیس آفیسر بنوں گا اور جرائم کا خاتمہ کروں گا۔
عروج ندیم، مردان
میں انجینئر بن کر والدین اور ملک و قوم کا نام روشن کروں گی۔
احسن اعجاز، کراچی
میں بڑا ہو کر تعلیم کو فروغ دوں گا۔
وجیہہ الدین، کوہاٹ
میں بڑا ہو کر ڈاکٹر بنوں گا اور غریبوں کا مفت علاج کروں گا۔
حافظ محمد بدر، گوجرہ
میں اعلیٰ تعلیم حاصل کر کے باعمل عالم بنوں گا۔
محمد اسامہ، کراچی
فلاحی کام کر کے ملک کا نام روشن کروں گا۔
محمد مزمل، گوجرہ
میں بڑا ہو کر فوجی بنوں گا اور ملک و قوم کی خدمت کروں گا۔
سید محمد ایان، دریا خان
میں ڈاکٹر بن کر ملک و قوم کی خدمت کروں گا۔
کلیم حیدر، سرگودھا
میں بڑا ہو کر آرمی جوائن کروں گا اور ملک و قوم کی حفاظت کروں گا۔
محمد طلحہ جمیل، جہلم
میں بڑا ہو کر استاد بنوں گا اور لوگوں کو تعلیم دوں گا۔
عبداللہ انصاری، حیدر آباد
میں بڑا ہو کر دکھی انسانیت کی خدمت کروں گا۔
محمد سمیع اللہ، تلہ گنگ
میں حافظ قرآن بنوں گا اور پاک آرمی میں جا کر پاکستان کی حفاظت کروں گا۔
نوال فاطمہ، اسلام آباد
میں بڑی ہو کر سی ایس ایس کروں گی اور ایک این جی او بنا کر غریبوں کی مدد کروں گی۔
محمد عمر عباس آوانہ، گجرات
میں حافظ قرآن بن کر دین اسلام کی روشنی پوری دنیا میں پھیلاؤں گا۔
مشاہ خان، پشاور
ڈاکٹر بن کر بڑوں کی خدمت، چھوٹوں سے شفقت اور غریبوں کی مدد کروں گی۔
نعمان شکیل، لاہور
میں بڑا ہو کر ڈاکٹر بنوں گا اور دکھی انسانیت کی خدمت کروں گا۔
حمزہ اظہر، لاہور
میں بڑا ہو کر مجاہد بنوں گا اور اللہ کی راہ میں جہاد کروں گا۔
احمد حسن، مردان
میں حافظ قرآن بن کر پاکستان کو ایک اسلامی فلاحی مملکت بنانا چاہتا ہوں۔
ابرار الحق، رجبہ جھنگ
میں انشاءاللہ ڈاکٹر بنوں گا اور غریب لوگوں کا مفت علاج کروں گا۔
وقاص عباس، کراچی
میں بڑا ہو کر حافظ قرآن بنوں گا ور دین اسلام کی روشنی پوری دنیا میں پھیلاؤں گا۔
احمد نسیم، ایبٹ آباد
میں بڑا ہو کر ڈاکٹر بنوں گا اور انسانیت کی خدمت کروں گا۔
محمد شہریار اظہر، اسلام آباد
میں بڑا ہو کر کرکٹر بننا چاہتا ہوں اور ملک و قوم کی خدمت کرنا چاہتا ہوں۔

خاتون نے دکان میں سوئیٹر کو الٹ پلٹ کر دیکھنے کے بعد پوچھا: کیا اسے بارش میں بھی پہن سکتے ہیں؟
کیوں نہیں؟ سیلز مین نے جواب دیا۔ سوئیٹر بھیڑ کی اون سے بنا ہے اور آپ نے کبھی کسی بھیڑ کو بارش میں چھتری لے کر تو جاتے نہیں دیکھا ہوگا؟

(قمر ناز دہلوی، کراچی)

سعد: عامر! تم انگریزی جانتے ہو؟
عامر: ہاں اگر اردو میں بولی جائے۔

☆☆

گاہک: انڈے کیا بھاؤ دیئے ہیں؟
دکان دار: ٹوٹا ہوا پانچ روپے کا، ثابت آٹھ روپے کا۔
گاہک: اچھا اس برتن میں ثابت انڈے توڑ توڑ کر ڈال دو۔

☆☆

ایک بچے نے دکان دار سے پوچھا: اس پنسل کی کیا قیمت ہے؟
دکان دار: کون سی والی؟
بچہ: وہ پانچ روپے والی۔

(صوفیہ عبداللہ، پشاور)

گلوکار: میں کیسا گا لیتا ہوں۔
دوست: تمہیں تو ریڈیو پر گانا چاہیے۔
گلوکار: وہ کیوں؟
دوست: ریڈیو بند کرنا آسان ہے۔

☆☆

ایک پاگل: مجھے آزاد کر دو، ورنہ اسپتال کی چھٹی منزل سے چھلانگ لگا دوں گا۔
ڈاکٹر (حیران ہو کر): لیکن اس اسپتال کی تو صرف تین منزلیں ہیں۔
پاگل: کوئی بات نہیں دو مرتبہ چھلانگ لگا دوں گا۔

(سیدہ وجیہہ بخاری، ٹوبہ ٹیک سنگھ)

ننھا اسکول سے ہیجانی کیفیت سے آیا، اس نے ہانپتے ہوئے کہا: امی آپ کو ایک اچھی اور ایک بری خبر سناتا ہوں۔
امی: کون سی؟
بیٹا: اچھی خبر یہ کہ میں پاس ہو گیا ہوں۔
(امی تعجب سے): بہت خوب!
امی: اور بری خبر کون سی؟
بیٹا: پہلی خبر غلط ہے۔

(فیضان احمد فیضی، اٹک)

امی (حسن سے): ارے املی آنکھیں بند کر کے کیوں کھا رہے ہو؟
حسن: امی جی! میں نے اپنی ٹیچر سے وعدہ کیا تھا کہ آئندہ املی کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھوں گا۔

(محمد حمزہ لغاری، میاں والی)

منا (باجی سے): جب بارش ہوتی ہے تو پانی کہاں چلا جاتا ہے۔
باجی (غصے میں): میرے سر پر۔
منا: اوہ! اسی لیے آپ کی ناک ہر وقت بہتی رہتی ہے۔

(زینب خان، پشاور)

ایک دوست نے اپنے دوسرے دوست سے پوچھا: تمہارا تعلق کس خاندان سے ہے۔
دوسرا دوست بولا: جانوروں کے خاندان سے۔
پہلا دوست: وہ کس طرح؟
دوسرا دوست: وہ اس طرح کہ امی مجھے الو کہتی ہیں، ابو جی گدھا کہتے ہیں، ماسٹر صاحب مرغا بناتے ہیں، بھائی جان بھالو کہتے ہیں۔ دادا جی کہتے ہیں میرا شیر ہے شیر۔

(حسن رضا، روڈہ تھل)

حیدر (امجد سے): تم اپنے مکان میں کیوں نہیں رہتے؟ دن رات اِدھر اُدھر پھرتے ہو۔
امجد: حیدر بھائی! کیا بتاؤں میرے مکان کا کرایہ بہت زیادہ ہے۔

(دانیال عزیز، ڈیرہ اسماعیل خان)

ننھی (گھاس پر شبنم دیکھ کر): آج کتنی گرمی پڑ رہی ہے۔
امی: ارے پگلی! جنوری میں گرمی کہاں؟
ننھی: یہ گرمی نہیں تو کیا ہے؟ گھاس کو بھی پسینہ آ رہا ہے۔

(محمد افضل انصاری، لاہور)

درج ذیل دیے گئے جوابات میں سے درست جواب کا انتخاب کریں۔

1۔ "محمد" کے کیا معنی ہیں؟

i۔ تعریف کیا گیا ii۔ پسند کیا جانے والا iii۔ حسین و جمیل

2۔ نبیؐ کی ولادت باسعادت کس موسم میں ہوئی؟

i۔ موسم بہار ii۔ موسم خزاں iii۔ موسم سرما

3۔ ابوالحسن علی ہجویریؒ کی تصنیف "کشف المحجوب" کس زبان میں ہے؟

i۔ فارسی ii۔ عربی iii۔ ہندی

4۔ "ایمفی بی این" جانور کہاں پائے جاتے ہیں؟

i۔ پانی میں ii۔ خشکی میں iii۔ پانی اور خشکی میں

5۔ خلائی جہاز کا وہ کیبن جس میں خلائی عملہ ہوتا ہے کیا کہلاتا ہے؟

i۔ نوز کون ii۔ کاک پٹ iii۔ شٹل

6۔ مشہور مصنف خلیل جبران کا تعلق کس ملک سے ہے؟

i۔ مصر ii۔ لبنان iii۔ عراق

7۔ یوم جمہوریہ پاکستان کس تاریخ کو منایا جاتا ہے؟

i۔ 23 مارچ ii۔ 14 اگست iii۔ 29 مئی

8۔ پاکستان کا ہائیڈ پارک کسے کہتے ہیں؟

i۔ موچی دروازہ، لاہور ii۔ مینار پاکستان، لاہور iii۔ جناح باغ، لاہور

9۔ "مائی آئیڈیلز" کس نامور کرکٹر کی تحریر کردہ کتاب ہے؟

i۔ عمران خان ii۔ سنیل گواسکر iii۔ ڈان بریڈ مین

10۔ ساقی نامہ علامہ اقبالؒ کے کس مجموعۂ کلام میں ہے؟

i۔ بالِ جبریل ii۔ ضربِ کلیم iii۔ بانگِ درا

جوابات علمی آزمائش دسمبر 2013ء

1۔1893ء، 2۔1906ء، 3۔حضرت عثمانؓ 4۔حبیب بینک 5۔گل یاسمین 6۔کانسی 7۔دو حروف ب اور ج 8۔بانگِ درا 9۔برما 10۔کربلا گامے شاہ، لاہور

اس ماہ بے شمار ساتھیوں کے درست حل موصول ہوئے۔ ان میں سے 3 ساتھیوں کو بذریعہ قرعہ اندازی انعامات دیے جا رہے ہیں۔

☆ محمد صادق علی، کوٹری (150 روپے کی کتب)

☆ ذیشان احمد صدیقی، کندیاں (100 روپے کی کتب)

☆ محمد احسن مقصود، حویلی لکھا (90 روپے کی کتب)

دماغ لڑاؤ سلسلے میں حصہ لینے والے کچھ بچوں کے نام بہ ذریعہ قرعہ اندازی:
ارسلان خان، نوشہرہ۔ حفظہ اعجاز، صوابی۔ بلال احمد حمید، سمندری۔ مشیرہ سراج الدین، آفاق شفیق، فائز محمد فاروق، کراچی۔ محمد صہیب، سید نقیب الفضل ہاشمی، مومنہ طارق، سلیمان علی اعوان، راولپنڈی۔ ربیعہ عائشہ، مطیع الرحمٰن، عبداللہ عارف، عدنان حمید، سلیم رضا، محمد شادمان صابر، شہزادی خدیجہ شفیق، محمد وسیم، عبدالواسع، سیدہ کوکب خالد، محمد عبداللہ ہاشم، بختیہ مریم، لاہور۔ طٰہٰ یاسین، پاکیزہ حسین، سعد انصاری، حیدر آباد۔ طارق عزیز، کوٹری۔ رضوان، پشاور۔ فاروق علشبہ، ملتان۔ عبداللہ بن نعیم، جہلم۔ ثمر خان، محمد مجیر خان، بھکر۔ محمد عثمان علی ذوالفقار، جھنگ صدر۔ شانزے عزیز، صوابی۔ حافظ عمیر بن عابد، حافظ آباد۔ احمد نسیم، ایبٹ آباد۔ مناہل عمران، چمن کوٹ۔ ولید اشرف، زین ارشد، گوجرہ۔ کومل صادق چوہدری، محمد ہاشم اسلم، عاصم طفیل، محمد نبیل اکرم، ثمرہ طارق بٹ، گوجرانوالہ۔ فضاء سکندر، سرگودھا۔ مدثر صدیق، ربیعہ اقبال، تابندہ آفتاب، کراچی۔ اسد علی انصاری، ملتان۔ محمد، ولید، احمد، اسلام آباد۔ بلال احمد قریشی، میاں والی۔ ایمان یاسر، سیالکوٹ۔ ایمن بیگ مرزا، واہ کینٹ۔ محمد عرفان اقبال، دنیا پور۔ محمد حنظلہ سعید، فیصل آباد۔ راجہ فرخ حیات، پنڈ دادنخان۔ عشاء سعید، ٹوبہ ٹیک سنگھ۔ محمد احمد خان غوری، بہاول پور۔ زائش خورشید، ایبٹ آباد۔ عروسہ شہباز، سونیا کائنات، کرک۔ سمیع، اوکاڑہ۔ محمد عمیس، کلور کوٹ۔ محمد طارق زمان، ڈیرہ اسماعیل خان۔ عبداللہ، کوٹ مومن۔ محمد صفی خان، پشاور۔ عائشہ ندیم، مردان۔

نیا سال مبارک

سال نیا ہو سب کو مبارک قوم ہو اب خوش حال
پیار سے مالا مال ہو بچو! جیو ہزاروں سال
غفلت کے پردے سے نکلو آؤ اجالے میں
کہیں نہ تاریکی میں بھٹکو، آؤ اجالے میں
زندہ قومیں کوئی لمحہ کرتی نہیں برباد
علم کو پا کر، کر کے ترقی رہتی ہیں دل شاد
جہل کی ظلمت مٹ جائے گی فرض کو پہچانو
خوب ترقی کرو بڑوں کے کہنے کو مانو
جتنے رہ گئے کام ادھورے پہلے کرو پورے
عہد کرو اب مل کے دور رہو گے غفلت سے
گود نہ اجڑے کسی بھی ماں کی دعا ہے یہ میری
دیس میں خوشحالی ہو روشن قسمت ہو سب کی
سال نو میں اچھے اچھے کرو گے تم سب کام
روشن ہو گا دنیا بھر میں پاک وطن کا نام
بچے پاکستانی ہیں ہم آپس میں ہیں ایک
نیت نیک ہماری جذبہ نیک ارادہ نیک

ضیاء الحسن ضیا

حضرت علی ہجویریؒ

حضرت علی ہجویریؒ المعروف حضرت داتا گنج بخشؒ اللہ تعالیٰ کے ولی ہیں جو لاہور شہر میں افغانستان (غزنی) سے تبلیغ اسلام کے لیے تشریف لائے۔ آپؒ 990 ہجری میں ہجویر نامی بستی میں پیدا

ہوئے۔ حضرت ابو العباس احمد بن محمد اشقانیؒ حضرت ابو سعید فضل اللہ بن محمدؒ، حضرت ابو القاسم گرگانیؒ سمیت متعدد علماء سے علم حاصل کیا۔ آپ سلطان محمود غزنوی کے بیٹے ناصر الدین کے عہد میں 1030ء کے دوران لاہور تشریف لائے۔ آپؒ کا عرس ہر سال صفر کے مہینے میں ہوتا ہے جس میں دنیا بھر سے لوگ آتے ہیں۔ آپؒ کا وصال 1077ء میں ہوا۔ حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ اور حضرت خواجہ فرید الدین گنج شکرؒ جیسے اولیاء آپؒ کے مزار پر چلہ کشی کے لیے آئے۔ حضرت علی ہجویری بن عثمانؒ نے ''کشف المحجوب''، ''کشف الاسرار'' سمیت متعدد کتابیں بھی لکھیں۔ آپؒ کا مزار محمود غزنوی کے پوتے ظہیر الدین نے تعمیر کروایا جب کہ ڈیوڑھی جلال الدین اکبر بادشاہ نے بنوائی۔ سابق وزیر اعظم ذوالفقار علی بھٹو نے مزار پہ سونے کا دروازہ لگوایا۔

برونائی دارالسلام کا پرچم

یکم جنوری 1984ء کو برطانیہ سے آزادی حاصل کرنے والے اسلامی ملک کا نام برونائی دارالسلام ہے۔ یہ ملک براعظم

ایشیاء کے مشرقی جانب جزائر شرق الہند میں واقع ہے۔ اس کا دارالحکومت بندر سری بگاوان ہے۔ ملک کا کل رقبہ 5765 کلومیٹر (2226 مربع میل) ہے۔ اس کا سرکاری و قومی پرچم پیلے رنگ کا ہے۔ پیلا رنگ سلطان کی عظمت کو ظاہر کرتا ہے۔ جھنڈے پر کالی و سفید ترچھی پٹیاں ہیں جنہیں سرکاری طور پر "Parallogram" کہا جاتا ہے۔ پرچم پر چاند بھی بنا ہے جو اسلام کا نشان ہے۔ اس پر اٹھے ہوئے دو انسانی ہاتھ بھی بنے ہیں جو حکومت کے فلاحی ہونے کی علامت ہیں۔ چاند پر پٹی بنی ہے جس پر ''اسٹیٹ آف برونائی Adobe Of Peace'' لکھا ہے۔ برونائی میں سرکاری عمارتوں پر یہ پرچم لہرایا جاتا ہے۔ اس ملک کی کرنسی برونائی ڈالر کہلاتی ہے۔

اہرام مصر

اہرام مصر کا شمار عجائبات عالم میں ہوتا ہے۔ ان میں سب سے قدیم و بڑا ہرم خوفو (Pyramid of Khufu) ہے۔ یہ مصر کے علاقے Giza میں واقع ہے جو چوتھے فرعون بادشاہ "Khufu" کی یاد میں حضرت عیسیٰؑ کی ولادت سے بھی اڑھائی ہزار یا اس سے بھی زائد عرصہ قبل تعمیر ہوا جس کی تکمیل میں لگ بھگ 20 برس لگے۔ انسانی ہاتھوں سے تعمیر ہونے والی یہ عمارت ابتداء میں 146.5 میٹر (481 فٹ) بلند تھی جو اب 138.8 میٹر (445 فٹ) رہ گئی ہے۔ یہ ہرم خوفو بنیاد سے 230.4 میٹر (756 فٹ) اور اس عمارت کا ماس (Mass) 5.9 ملین ٹن
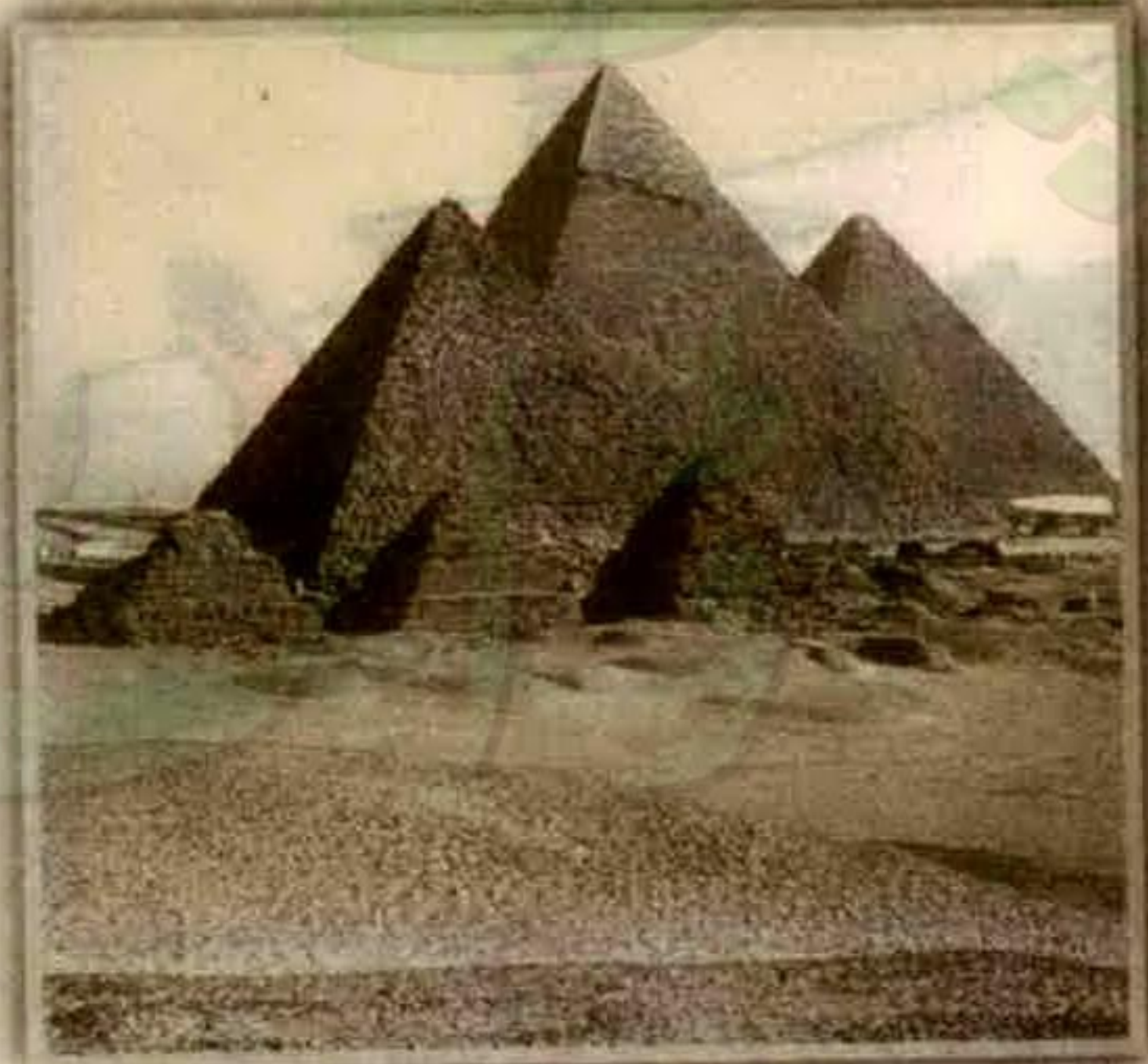
ہے۔ عمارت کے تین حصے ہیں۔ ایک بادشاہ کے لیے، دوسرا اس کی بیویوں کے لیے اور تیسرا حصہ شرفاء کے لیے تھا۔ بادشاہ کے محل میں 25 سے 80 ٹن وزنی پتھر نصب تھا جو گرینائٹ کا تھا۔ عمارت کی تعمیر میں 5.5 ملین ٹن چونے کا پتھر، 8000 ٹن گرینائٹ اور 500000 ٹن Mortar استعمال ہوا۔ 1300 صدی ہجری میں خلیفہ ناصرالدین الحسن نے عمارت کے جھڑنے والے پتھروں سے قاہرہ میں مسجد تعمیر کی۔ ہرم خوفو پر متعدد ناول، کہانیاں، ڈرامے اور فلمیں دستیاب ہیں۔

پیاز

پیاز (Onion) کا شمار ترکاری میں ہوتا ہے۔ اس کا سائنسی نام "Allium Cepa" ہے جب کہ اس پودے کا خاندان "Alliaceae" ہے۔ انسان 5000 قبل مسیح سے پیاز سے واقف ہے کیوں کہ ہر سالن کے علاوہ بخار، شوگر، دل کے امراض وغیرہ میں یہ مؤثر ہے۔ اچار، چٹنی، سرکہ اور سلاد میں بھی شامل ہوتا ہے۔ اس کا بنیادی تعلق وسطی ایشیاء سے ہے۔ اس کی نئی اقسام 15 سے 45 سینٹی میٹر (6 سے 8 انچ) اونچی ہوتی ہیں۔ پتے گہرے سبز ہوتے ہیں۔ اندازہ ہے کہ قدیم مصریوں نے اس کو بطور فصل کاشت کرنا شروع کیا۔ پیاز کئی رنگوں مثلاً سفید، سرخ، پیلی اور

بھورے رنگ میں دستیاب ہے۔ پیاز کا تنا زیر زمین ہوتا ہے جس سے باریک جڑیں نکلتی ہیں۔ ان کی زیادہ تر اقسام میں 89 فی صد تک پانی ہوتا ہے۔ پیاز جو ہم کھاتے ہیں اس میں پروٹین، فولک ایسڈ، وٹامن بی اور وٹامن سی پائے جاتے ہیں۔ اس میں کیلشیم، آئرن، میگنیشیم، میگنیز، فاسفورس، پوٹاشیم اور زنک پائے جاتے ہیں۔ پیاز کاٹنے سے آنکھوں میں آنسو آتے ہیں کیوں کہ پیاز کاٹنے سے ایک Gas نکلتی ہے جسے "LF" یعنی Lachrymatory فیکٹر کہا جاتا ہے جو آنکھوں تک پہنچ کر Tear گلینڈز کو متحرک کر دیتی ہے۔

☆☆☆

معلوماتِ عامہ

- روشنی ایک سال میں چھ ملین بلین میل سفر کرتی ہے۔
- ہوائی دباؤ کے اصول پر فاؤنٹین پین کام کرتا ہے۔
- ایک مکعب فٹ ہوا کا وزن تقریباً سوا ایک سو ہوتا ہے۔
- تازہ صاف پانی میں روشنی 700 فٹ گہرائی تک پہنچ سکتی ہے۔
- سرخ رنگ کی شعاعیں کہر اور دھند کو دوسرے رنگوں کی نسبت آسانی سے چیر جاتی ہیں۔
- خط افق پر آسمان اور زمین ملتے دکھائی دیتے ہیں۔
- مقناطیس کی سب سے زیادہ قوت اس کے سروں پر ہوتی ہے۔
- ثقلی اسراع کی پیمائش ایکسلرومیٹر سے کی جاتی ہے۔
- نیوٹن نے سب سے پہلے دوربین میں عدسوں کی جگہ آئینے کا استعمال کیا۔

(محمد اعظم، لاہور)

- مانٹریال (کینیڈا) کی بندرگاہ اٹلانٹک کے سمندر پر واقع ہے۔
- رنگون (برما) کی بندرگاہ بحرہند کے سمندر پر واقع ہے۔
- ہانگ کانگ (چین) کی بندرگاہ پیسفک ساحل پر واقع ہے۔
- ولنگٹن (نیوزی لینڈ) کی بندرگاہ آرکٹک کے ساحل پر واقع ہے۔
- ہمبرگ (جرمنی) کی بندرگاہ آرکٹک کے ساحل پر واقع ہے۔
- جزیرہ نیوگنی مغربی بحرالکاہل کے ساحل سمندر پر واقع ہے۔
- سان فرانسسکو (فلاڈلفیا) کی بندرگاہ پیسفک کے ساحل پر واقع ہے۔

(تنزیلہ علی، کراچی)

- زمین سے دیکھنے سے آسمان نیلا دکھائی دیتا ہے مگر خلا سے سیاہ دکھائی دیتا ہے۔
- قدیم آلہ اصطرلاب سے دو ستاروں کا درمیانی زاویہ ماپا جاتا ہے۔
- چاند کی مٹی کا رنگ سرمئی ہے۔
- سورج میں داغ پڑتے ہیں یہ بات گلیلیو نے کہی تھی۔
- ثریا اور پروین چھ ستاروں کے جھرمٹ کو کہتے ہیں۔
- نظام شمسی کے سیارے عطارد کا کرہ ہوائی نہیں ہے۔
- سیارہ زہرہ چاند کی طرح گھٹتا بڑھتا رہتا ہے۔
- اہل بابل (مصر) کی قوم نے چاند کی گردش کو اپنا مہینہ قرار دیا ہے۔
- سیارہ عطارد کے ہر قطب پر سورج چمکتا ہے۔
- زمین کے اندرونی پگھلے ہوئے مادے کو سائنسی زبان میں میگما کہتے ہیں۔

(فواد احمد، گجرات)

- اسلامی نظریاتی کونسل نے گردوں اور آنکھ کے عطیات کو 20 فروری 1986ء میں جائز قرار دیا۔
- ریڑھ کی ہڈی کے قرص (Disk) سے پہلے جو ایکسرے لیا جاتا ہے اسے مائیلوگرافی کہتے ہیں۔
- خون کا اہم ترین فاسد مادہ یوریا ہے۔
- انسانی جسم میں پوٹاشیم، سوڈیم (نمک) کے اجزاء کو متوازن کرتا ہے۔
- ناخن کی پیدائش چھ ماہ میں ہوتی ہے۔
- سرد ممالک میں انسانی جسم کا درجۂ حرارت 98.4 درجے ہوتا ہے۔
- ایک صحت مند عورت میں ہیموگلوبن کی مقدار 12 اونس ہوتی ہے۔
- ہاتھ کی انگلی کا ناخن تیزی سے بڑھتا ہے۔
- نمک کا تیزاب خوراک کو گلانے اور جراثیم کو مارنے کا انجام دیتا ہے۔

(ظل ہما، ملتان)

- برصغیر میں مسلمانوں نے سب سے پہلے منصورہ شہر کی بنیاد رکھی۔
- برصغیر کا درویش عالم بادشاہ ناصر الدین محمود کو کہتے ہیں۔
- برصغیر پاک و ہند میں پہلا مارشل لاء 1919ء کو لگا۔
- برصغیر کے مشہور بادشاہ اکبر نے خس کی ٹٹی ایجاد کی۔
- ہندوستان کی قدیم ترین نسل دراوڑی ہے۔
- برصغیر کا بادشاہ ہمایوں سیڑھیوں سے گر کر مرا تھا۔
- 'لکھناوتی' سے پہلے ہندوستان کے شہر لکھنؤ کا نام لاکھن پور تھا۔
- برصغیر کے آخری وائسرائے کا نام لارڈ ماؤنٹ بیٹن تھا۔
- عراق کے شہر بغداد کی بنیاد خلیفہ المنصور نے رکھی۔
- روس میں بادشاہت کا خاتمہ 1917ء میں ہوا۔
- برصغیر میں کل 8 انگریز وائسرائے آئے۔

(بینش آفاق، حیدرآباد)

کام کا نہ کاج کا دشمن اناج کا

زبیدہ سلطانہ

شانو بھائی بہنوں میں سب سے چھوٹا ہونے کے ناتے گھر بھر کا لاڈلا تھا۔ ماں باپ نے بے حد لاڈ پیار سے اسے بہت بگاڑ دیا تھا۔ بھلا ایسے لاڈ ڈلار کا کیا فائدہ جو انسان کو بالکل نکما کر دے۔ جب ماں باپ مر گئے اور اس کی بہنوں کی شادیاں ہو گئیں تو شانو بڑے بھائی کے پاس رہنے لگا۔ بھائی بھی اس سے بہت محبت کرتا تھا مگر بھابھی کے لیے اس کا بے کار وجود ناقابلِ برداشت تھا۔ وہ ہر وقت اسے بُرا بھلا کہتی رہتی تھی۔

شانو...... جس کا نام ماں باپ نے ''شاندار'' رکھا تھا، بے کاری اور نکمے پن کی وجہ سے اپنی ذات میں کوئی ''شان'' تو پیدا نہ کر سکا، محض شانو ہو کر رہ گیا۔ وہ ہر چیز کے لیے بھائی کا محتاج تھا۔ بھابھی اسے ڈانٹ ڈپٹ کر بھائی کے ساتھ کام کرنے کے لیے بھیجتی، مگر وہ تھوڑی دیر بعد ہی کسی نہ کسی بہانے گھر واپس چلا آتا اور آ کر چارپائی پر دراز ہو جاتا۔ بھابھی کے طعنوں پر سنی ان سنی کر کے چپ سادھ لینا ہی اس کا واحد حربہ تھا۔ وہ بکتی جھکتی رہتی، یہ کان بند کیے چپ پڑا رہتا۔

سب سے بڑی مصیبت یہ تھی کہ فارغ بیٹھے بیٹھے شانو کو بھوک بہت لگتی۔ وقت بے وقت اس کا مطالبہ ہوتا......

''بھابھی! کچھ کھانے کو ہے؟''

کھانا کھانے کے چند ہی گھنٹوں بعد وہ پھر کھانے کو مانگتا یا جو کچھ پڑا ملتا، کھا کر فارغ ہو جاتا۔ اکثر تو ایسا بھی ہوتا کہ بھائی کا کھانا پڑا ہوتا جسے وہ بلا تکلف کھا لیتا اور جب بھابھی کو دوبارہ چولہا جلا کر روٹیاں پکانی پڑتیں تو وہ بڑبڑاتی۔ بھائی تو بیوی کی شکایت سن کر بس اتنا کہہ کر چپ ہو جاتا...... ''چلو خیر پھر کیا ہوا، جوان آدمی ہے بھوک لگتی ہو گی۔''

مگر بیوی جل کر کہتی......

''واہ! اچھا جوان آدمی ہے، بے کار بیٹھے بیٹھے اسے بھوک ہی لگتی رہتی ہے، اونہہ! کام کا نہ کاج کا، دشمن اناج کا۔''

کولڈ کیک

یہ ایک ایسا کیک ہے جس کے لیے اوون کی ضرورت نہیں پڑتی۔ بچے بے حد شوق سے کھاتے ہیں اور بڑے بھی اس کی خوب صورتی سے متاثر ہوتے ہیں۔ یہ ایک ''ہٹ ڈش'' ہے اور گھر پر تقریباً ہر وقت فریزر میں تیار رکھ سکتے ہیں۔

اشیاء:

''ماری'' بسکٹ کا ایک ڈبہ — کوکو پاؤڈر ایک کھانے کا چمچ

انڈے دو عدد — مکھن چھ اونس

چینی دس چائے کے چمچ — تھوڑے سے بادام اور پستہ

ترکیب:

۱۔ دو ساس پین اس طرح لیں کہ ایک چھوٹی ہو اور دوسری اتنی بڑی کہ چھوٹی والی اس میں باآسانی آسکے۔ بڑی والی پانی میں گرم کریں، چھوٹی والی میں مکھن ڈال کر نرم کریں۔ پھر اس میں چینی، کوکو پاؤڈر اور دونوں انڈے ڈال کر گرم پانی کے اوپر رکھ کر پکائیں۔ گاڑھا ہونے پر پانی سے ہٹا کر بادام اور پستے کاٹ کر ڈال دیں۔

۲۔ بسکٹ توڑ کر تین تین ٹکڑے کر کے اس ''کسٹرڈ'' میں ڈال کر ملائیں۔

۳۔ دو کلو چینی، چاول یا کارن فلیکس والا پولیتھین بیگ لے کر اس میں بسکٹوں والا آمیزہ ڈال دیں۔

۴۔ اسے دبا دبا کر لفافے کے نیچے لے جا کر رول کر کے فریزر میں رکھ دیں۔

۵۔ جب جم جائے تو لفافہ کاٹ کر علیحدہ کر دیں اور تیز چھری سے آدھ انچ موٹائی کے قتلے کاٹ کر پلیٹ میں رکھیں۔

بہت ہی خوش نما اور مزے دار کیک تیار ہے۔ سردیوں کے لیے بہت عمدہ ہے، جب کہ گرمیوں میں روم ٹمپریچر میں رکھا ہو تو پگھلنے لگتا ہے۔

انعامی سلسلہ

سوال یہ ہے کہ......!

۱۔ اَلْقُدُّوْسُ کا کیا مطلب ہے؟
۲۔ برصغیر میں کل کتنے انگریز وائسرائے آئے؟
۳۔ پاکستان میں باکسنگ کا پہلا بین الاقوامی ٹورنامنٹ کب ہوا؟
۴۔ حکیم محمد سعید کو کس تاریخ کو شہید کیا گیا؟
۵۔ پیاز کاٹتے وقت کون سی گیس نکلتی ہے؟
۶۔ حضرت علی ہجویریؒ کا عرس کس اسلامی مہینے میں منایا جاتا ہے؟

درج بالا سوالوں کے جوابات جنوری 2014ء کے شمارے میں موجود ہیں۔ آپ رسالہ غور سے پڑھیے اور اپنے جوابات لکھ بھیجیے۔ درست جواب دینے والے تین خوش نصیبوں کو 300 روپے کی انعامی کتب دی جائیں گی۔ تین سے زیادہ درست حل آنے کی صورت میں بہ ذریعہ قرعہ اندازی انعامات دیے جائیں گے۔

دسمبر 2013ء میں بہ ذریعہ قرعہ اندازی انعام یافتگان کے نام:

1-عیبہ جمیل، لاہور
2-محمد حمزہ سعید، بورے والا
3-ایم عبداللہ ثاقب، پشاور۔

کھوج لگائیے

ہر حل کے ساتھ کوپن چسپاں کرنا ضروری ہے۔ آخری تاریخ 10 / جنوری 2014ء ہے۔

نام: ____________

شہر: ____________

مکمل پتا: ____________

____

موبائل نمبر: ____________

آئیے عہد کریں

کوپن ارسال کرنے کی آخری تاریخ 10 / جنوری 2014ء ہے۔

نام ________ مقام ________

میں عہد کرتا/کرتی ہوں کہ ____________

____

موبائل نمبر: ____________

سوال یہ ہے کہ......!

کوپن ارسال کرنے کی آخری تاریخ 10 / جنوری 2014ء ہے۔

نام ________ عمر ________

مکمل پتا: ____________

____

موبائل نمبر: ____________

دماغ لڑاؤ

ہر حل کے ساتھ کوپن چسپاں کرنا ضروری ہے۔ آخری تاریخ 10 / جنوری 2014ء ہے۔

نام: ____________

مقام: ____________

مکمل پتا: ____________

موبائل نمبر: ____________

ہونہار مصور

جنوری کا موضوع روضہ رسولؐ ارسال کرنے کی آخری تاریخ 08 / جنوری 2014ء ہے۔

نام ________ عمر ________

مکمل پتا: ____________

____

موبائل نمبر: ____________

میری زندگی کے مقاصد

کوپن پُر کرنا اور پاسپورٹ سائز رنگین تصویر بھیجنا ضروری ہے۔

نام ________ شہر ________

مقاصد ____________

____

____

موبائل نمبر: ____________

بوجھو تو جانیں

1- چاروں طرف ہے موجود
سب کو ہے یہ محبوب

2- چڑھے ناک پر پکڑے کان
بولو بچو کون شیطان

3- دو چڑیاں رکھتی ہیں پر
کبھی نہ چھوڑیں اپنا گھر
(حامد علی، جوہر آباد)

4- چادر اوڑھے ایک بڑھیا
اندر سے ہے زہر کی پڑیا

5- شیر کی ہے وہ رشتہ دار
چوہے کا کرے وہ خوب شکار

6- ہم نے دیکھی بات نرالی
بھائی گورے بہن کالی
(افراء محمود)

7- تن کا ہلکا سر کا بھاری
چوٹ لگاتا ہے وہ کاری

8- چار رنگ کے باون بندے
کہتے ہیں سب ان کو گندے

9- مٹی سے نکلی ایک گوری
سر پر لیے پتوں کی بوری

10- خود اس کو کب پڑھنا آئے
جو چاہو لکھ کر دکھلائے
(صفاء رشید، کراچی)

11- سو گھوڑے اور ایک لگام
آگے پیچھے چلیں تمام

12- زمین پہ وہ رہتا ہے
پانی میں وہ بہتا ہے

13- میں نے ایسی بین بجائی
خود نہ سنی دوسروں کو سنائی

جوابات: 1-ہوا 2-عینک 3-پلکیں 4-لال مرچ 5-بلی 6-دن اور رات 7-ہتھوڑا 8-تاش کے پتے 9-مولی 10-قلم 11-تسبیح 12-صابن 13-خراٹے

ہندسے ملائیں:

راستہ ڈھونڈیے

’’تم نے کچھ سنا، ہم کتنی دیر سے دروازہ بجا رہے ہیں۔‘‘ باہر سے کسی نے رُعب دار انداز میں کہا۔

’’جج....جی....کون ہیں آپ؟ ‘‘ چاچا منگو نے ڈرے ڈرے لہجے میں کہا۔ وہ گھبرا گئے تھے۔ دروازے پر زور سے دستک دی جا رہی تھی۔ چاچا منگو نے دروازہ کھولنے میں پس وپیش سے کام لیا۔ انھیں اندازہ تھا کہ آنے والے افراد شریف قطعی نہیں ہیں۔ جانے ان کا کیا ارادہ ہو۔ اب کی بار جب دروازہ پہلے کی نسبت اور زور سے بجایا جانے لگا تو انھیں ڈر ہوا کہ وہ اُسے توڑ ہی نہ دیں۔ وہ اس خیال سے دروازے کے قریب آگئے۔

’’دروازہ کھولتے ہو یا ہم توڑ کر اندر آجائیں۔‘‘ باہر سے کہا گیا۔

وہ کوئی مصیبت مول نہیں لینا چاہتے تھے، اس لیے فوراً دروازہ کھول دیا۔ دروازہ کھلتے ہی تین لمبے چوڑے غنڈے نما افراد اندر داخل ہوگئے۔ دو کے ہاتھ میں گنیں بھی موجود تھیں۔

’’پرے ہٹو بڑے میاں!‘‘ ایک نے انھیں دروازے پر سے ہی دھکیلتے ہوئے کہا۔

’’کک....کیا بات ہے؟‘‘ چاچا تھوک نگلتے ہوئے بولے۔ ان کا اس سے پہلے کبھی ایسے حالات سے واسطہ نہیں پڑا تھا۔

’’کہاں ہے وہ مسٹر نظام!‘‘ ایک نے اپنے بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

’’انھوں نے آپ کا کیا بگاڑا ہے، ہمارے بابو تو انتہائی شریف انسان ہیں۔‘‘ چاچا نے ہمت کرتے ہوئے کہا۔

’’ہمیں نظام چاہیے نظام!‘‘ دوسرے نے اپنی گن ہلاتے ہوئے کہا۔

’’بڑا آیا شریف آدمی! کہاں ہے وہ؟‘‘ اب تیسرے آدمی نے اپنی باری کا لطف اُٹھا کر کہا۔

ان کو یقین نہیں آیا کہ چاچا منگو درست کہہ رہا ہے کہ وہ یہاں نہیں ہے۔ انھوں نے گھر کا کونا کونا چھان مارا۔ بستر کے نیچے، چھت پر، مچانوں پر....جب ان کی ہر طرح سے تسلی ہوگئی تو وہ واپسی کے لیے مڑے۔

’’ہم پھر آئیں گے بڑے میاں! وہ اب ہم سے زیادہ دیر بچ نہیں سکے گا۔‘‘ ایک نے بڑی بڑی آنکھیں گھماتے

ہوئے کہا۔

اس کے بعد انھوں نے چاچا کو بستر پر دھکیلا اور وہ تینوں گھر سے باہر چلے گئے۔

☆☆☆

''سر! میرا نام نظام الدین ہے۔'' وہ اس وقت علاقے کے تھانے دار کے سامنے موجود تھا۔

''بولو بابا! میں تمھاری کیا مدد کر سکتا ہوں۔'' تھانے دار نے روایتی خوش اخلاقی کا مظاہرہ کرنے کی کوشش کی۔

''دیکھیے تھانے دار صاحب! میری تو کسی سے لڑائی بھی نہیں اور نہ ہی میں کسی کے خلاف پرچہ کرانا چاہتا ہوں لیکن کل میرے گھر پر جو کچھ ہوا، وہ صحیح نہیں تھا۔''

نظام نے چاچا کی زبانی سنی ہوئی تمام تفصیلات سے اسے آگاہ کرتے ہوئے کہا۔

''بات تو ٹھیک ہے صاحب!'' تھانے دار نے کہا۔

''لیکن آپ نے کچھ نہ کچھ کیا ضرور ہوگا۔''

''میں کہہ چکا کہ میرا کسی معاملے سے کوئی تعلق نہیں ہے تو پھر آپ کیوں اس بات پر بہ ضد ہیں۔''

''اس لیے صاحب کہ جس حلیے کے لوگ آپ نے بتائے ہیں بابا! وہ تو وڈیرے کے پالتو ملازم ہیں اور وہ اسی جگہ جاتے ہیں جہاں وڈیرہ بھیجتا ہے۔'' تھانے دار نے اپنے چہرے کو دائیں بائیں گھماتے ہوئے کہا۔''اور سچی بات بتاؤں بابا! جہاں وڈیرے کی فوج پہنچ جائے، وہاں ہم جیسے گھسیاروں کا کوئی کام نہیں رہ جاتا۔''

''کیا مطلب؟'' نظام نے غصے سے آنکھیں نکالتے ہوئے کہا۔

''ہم وڈیرے کا نمک کھا کر اس سے بے وفائی نہیں کر سکتے۔'' وہ احسان مندی کے ساتھ کہہ رہا تھا۔

''پھر تمھارے یہاں ہونے کا فائدہ؟'' اس نے بھنویں اُچکا کر سوال کیا۔

''فائدہ ہے سائیں! برابر ہے۔ میں آپ کو پُر امن حالت میں وڈیرے کی اوطاق پر لے چلتا ہوں۔ اس سے گفت گو کر لیتے ہیں کہ اس کو آپ سے کیا شکایت ہے۔'' اس نے جذبۂ خیر سگالی کو جگاتے ہوئے کہا۔

وہ کچھ دیر کے لیے سوچ میں پڑ گیا۔ اس کا دل اس بات کو ماننے کے لیے تیار نہ تھا کہ وہ جا کر وڈیرے کو سلام پیش کرے لیکن یہ خیال بھی آ رہا تھا کہ اس کی یہاں پر نئی نئی تعیناتی ہوئی ہے۔ اگر وڈیرے سے مل کر اصل وجہ پوچھ لی جائے تو مسئلہ حل ہو جائے گا ورنہ اس کے آدمی آ کر مزید جانے کیا غل مچائیں۔

''ٹھیک ہے! میں چلنے کے لیے تیار ہوں۔'' نظام نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔

''چلو چلتے ہیں۔'' وہ جیپ کی جانب بڑھا۔ وہ دونوں بھی اس میں بیٹھنے لگے۔''وہ پٹرول کے پیسے..... چلو! دیکھ لیں گے.....''

اس کی ہمت نہ ہو سکی کہ وہ نظام سے کچھ مانگ سکے۔

کچھ ہی دیر میں وہ وڈیرے کی اوطاق پر پہنچ چکے تھے۔

تھانے دار کا سن کر انھیں عزت سے کمرے میں بٹھا دیا گیا۔ کچھ ہی دیر بعد وڈیرہ سائیں داد بھی آ گیا۔ سلام دُعا کے بعد پوچھا۔

''سناؤ تھانے دار! بے موقع کیسے آئے اور یہ کون لوگ ہیں؟''

''سائیں! بے موقع نہیں آیا، ان ہی لوگوں کے سلسلے میں آیا تھا۔''

''ہاں ہاں کہو! کیا ملازمت پر لگوانا ہے؟''

''سائیں! بات یہ ہے کہ کل آپ کے آدمی ان کی خیریت پوچھنے گئے تھے تو میں خود ہی ان کو یہاں لے آیا ہوں۔''

تھانے دار نے وضاحت کرتے ہوئے کہا۔

''تو تم ہو وہ آدمی!'' جاگیردار ایک دم صوفے سے اُٹھ بیٹھا، اس کا چہرہ غصے سے سُرخ ہو چکا تھا۔ نظام بھی ایک دم اٹھ کھڑا ہوا۔''مجھے تو آئے چند ہی دن ہوئے ہیں۔''

''ہمیں معلوم ہے۔'' وڈیرے نے کمرے میں چکر لگاتے ہوئے کہا۔''ہمارے علاقے میں کون کب سے ہے، کیا کر رہا ہے اور کب گیا، اس کے بارے میں سب خبر ہے ہمیں بابا۔''

''جی... مگر میں نے تو کچھ نہیں کیا ہے؟'' نظام نے

معصومیت سے کہا۔
''تم نے آتے ہی کچھ دنوں میں وہ کر دیا ہے جو ہمیں ایک آنکھ نہیں بھایا۔'' وڈیرے نے سخت لہجہ میں کہا۔''میں کہتا ہوں اپنا بوریا بستر باندھو اور کل ہی یہاں سے نکل جاؤ ورنہ....''
''چلا جائے گا سرکار، چلا جائے گا۔ میں سمجھا دیتا ہوں۔'' تھانے دار نے عاجزی بھرے لہجے میں کہا۔
''لیکن کیوں چلا جاؤں۔'' نظام بھی سر پھرا تھا۔''میں نے کون سے کسی کے ہل چُرائے ہیں۔''
''تم نے ہمارے گاؤں میں بھونچال ڈال دیا ہے، بھونچال!''
''اتنا خطرناک ہے یہ لڑکا سائیں!'' تھانے دار نے غصے سے آنکھیں نکالیں۔''اس کے پاس بم ہے کیا سائیں؟''
''ارے نہیں بھئی!'' وڈیرہ کچھ چڑ کر بولا۔
''کوئی بات نہیں! ایسا پرچا کروں گا کہ اندر ہی رہے گا ساری عمر۔'' اُسے اپنی کمائی ہوتی نظر آنے لگی۔
''میں اس نوجوان کو اپنے گاؤں میں دیکھنا ہی نہیں چاہتا ورنہ اچھا نہیں ہوگا۔''
وڈیرے کا غصہ دیکھ کر تھانے دار نے بھی نظریں دوسری طرف پھیر لیں۔ وہ اس کے اس انداز کو سمجھتا تھا۔ ان حالات میں نظام کی زندگی کو یقینی خطرہ تھا۔
''نکال دیتے ہیں سائیں اس کو۔ یہ تو کوئی مسئلہ ہی نہیں ہے۔'' اس نے چٹکی بجاتے ہوئے کہا۔''مگر اس نے کیا کیا ہے؟''
''تم جانتے نہیں تھانے دار! یہ ماسٹر ہے وری..... اس نے یہاں آکر لڑکیوں کا اسکول آباد کر دیا ہے۔''
''ارے واقعی!'' تھانے دار کا غصہ ایک دم خوشی میں بدل گیا۔''اس کے آنے سے تو گاؤں کا منظر ہی بدل گیا ہے سائیں۔''
''کیا مطلب!'' وڈیرے نے صوفے پر بیٹھ کر اپنے غصے کو ٹھنڈا کرنے کی کوشش کی۔
''اب تو گاؤں کی بچیاں جدھر کدھر اپنا سبق دھراتی نظر آتی ہیں۔'' وہ خوشی سے بولا۔''میری بہن کی دو بچیاں بھی اسکول جانے لگی ہیں، وہ بھی بڑی تعریف.....'' تھانے دار کے الفاظ درمیان ہی میں رہ گئے۔
''تو تم بھی اس سے مل گئے ہو۔''
''میں..... میں..... نہیں نہیں.....'' وہ ایک دم چونک گیا۔''مگر سائیں! بچیوں کا پڑھنا تو اچھا ہے ناں، وہ اسکول کب سے خالی پڑا تھا۔ کتے پھرتے تھے سائیں اُس میں۔'' اس نے وڈیرے کو سمجھانا چاہا۔
''تو تم مجھے سمجھاؤ گے کہ کیا اچھا ہے کیا بُرا!'' اس کے ذہن میں بس ایک ہی خبط سوار تھا کہ لڑکیوں کو تعلیم نہیں دلوانی چاہیے۔''ہمارے گاؤں میں کوئی لڑکی کبھی نہیں پڑھی۔ یہ ہمارے گاؤں کی برسوں پرانی روایت ہے۔''
''سائیں! کب تک پُرانی روایات پر چلتے رہیں گے!'' اب باری نظام الدین کی تھی۔''زمانہ بدل گیا ہے، لڑکوں کے ساتھ لڑکیوں کو بھی پڑھنے دیجیے۔ ہمارا مذہب انھیں برابری کا حق دیتا ہے۔''
''یہ نوجوان ٹھیک کہتا ہے سائیں! میں خود بھی اپنی بچی کو اسکول...''
''تمھاری ہمت کیسے ہوئی ہمارے نمک خوار ہو کر ایسی بات کرنے کی؟'' انھوں نے کرخت لہجے میں کہا۔
اس کے بعد انھوں نے تالی بجانا شروع کی تو وہی تینوں گارڈ اندر داخل ہو گئے۔
''سنبھالو اسے!'' وڈیرے نے نظام کی طرف اشارہ کیا۔ وہ تینوں کچھ کر گزر جانے والے انداز میں اس کی جانب بڑھے، ایسے میں ایک آواز گونجی۔
''اوئے ٹھہر جاؤ۔'' ایک گارڈ نے چونک کر گن نیچے کر لی۔
وڈیرے نے مڑ کر دیکھا، یہ آواز تھانے دار کی تھی۔ اس نے ریوالور نکال لیا تھا۔ قبل اس کے کہ وہ تینوں کوئی حرکت کرنے کے قابل ہوتے، تھانے دار نے اُچک کر وڈیرے کو گن پوائنٹ پر قابو کر لیا۔
''یہ..... یہ تم کیا کر رہے ہو۔'' اس نے حیرانی سے کہا۔ ریوالور کی زد میں آکر اس کی اکڑ ایک دم ختم ہو چکی تھی۔
''میں نے کافی عرصے اپنے ضمیر کو سُلا کر آپ کا ساتھ دیا تھا سائیں۔'' وہ افسردگی سے کہہ رہا تھا۔''لیکن ایسا بھی نہیں ہے کہ میرا ضمیر مُردہ ہو چکا ہو۔ تم لوگ اپنے ہتھیار پھینک

دو۔'' اس نے غصہ سے بھرپور انداز میں کہا۔

جب قانون حرکت میں آجائے تو بڑے سے بڑا مجرم بھی ہاتھ جوڑ لیتا ہے۔ یہی اب ہوا، انھوں نے ہتھیار پھینک دیے۔

''تم ہمارا ساتھ دو تھانے دار! تمھیں منھ مانگی دولت دوں گا۔'' سائیں نے اسے ایک بار پھر خریدنے کی کوشش کی۔

''یہ ماسٹر ہماری بچیوں کو علم کی دولت سے مالا مال کرنے آیا ہے اور تم اس کو مارنے لگے ہو، میں ایسا بے ضمیر نہیں!'' اُس نے کہا۔

''گاؤں کی لڑکیاں اگر پڑھ لکھ گئیں تو ہمارے لڑکوں کی برابری کرنے لگیں گی اور یہ میں نہیں چاہتا!''

اس کی آنکھوں سے افسردگی چھلک رہی تھی۔

''اسلام نے مرد اور عورت دونوں کو برابر رکھا ہے؟'' نظام نے کہا۔ ''پھر ہم کون ہوتے ہیں اُن سے یہ حق چھیننے والے!''

''اگر آپ نے علم کے دیے کو جلانے والے فرد کو تکلیف پہنچانے کی کوشش کی تو میں....'' تھانے دار بے پروائی سے وڈیرے کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بولا۔ آج اس کے اندر کا انسان جاگ چکا تھا۔

''تمھارا تبادلہ ایک منٹ میں کرا دوں گا!'' وڈیرے نے اسے دھمکایا۔

''مجھے اس کی قطعی پرواہ نہیں ہے؟'' وہ چڑ کر بولا۔

''سمجھ میں نہیں آتا کہ اس ماسٹر نے ایسا کیا جادو کر دیا ہے تم پر۔''

''یہ لڑکا کسی طور بھی قابلِ مذمت نہیں، میں اس کی حفاظت کی ضمانت لیتا ہوں۔''

اس نے نظام کا بھرپور ساتھ دینے کی کوشش کی۔

''اب دور بدل چکا ہے سائیں! آپ بھی اپنے آپ کو بدل دیں۔''

ایک گارڈ نے بھی ہمت کر کے اپنے دل کی بات کہہ ڈالی۔

وڈیرے کو ان لوگوں کی باتیں سن کر احساس ہو رہا تھا کہ واقعی وہ زیادتی کر رہا ہے۔ اس نے دل ہی دل میں سوچنا شروع کر دیا۔

''مجھے کچھ سوچنے کا موقع دو۔'' وڈیرے نے کہا۔ اس کے انداز بتا رہے تھے کہ وہ کوئی فیصلہ کر چکا ہے۔

''میں آپ کے جواب کا انتظار کروں گا۔'' تھانے دار نے فراخ دلی سے کہا اور اپنا ریوالور نیچے کر کے جیب میں ڈال لیا۔

وڈیرے کے کارندوں نے اپنا اسلحہ اُٹھایا اور اندر کی جانب چلے گئے۔ تھانے دار اور ماسٹر نظام الدین واپس جانے کے لیے مڑے تو وڈیرے کی آواز نے انھیں روک لیا۔

''ماسٹر صاحب! ہماری اوطاق کی چائے پی کر نہیں جاؤ گے کیا؟''

اُن دونوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور مسکرا کر صوفوں پر دراز ہو گئے۔

☆☆☆

نام تو اس کا کچھ اور تھا مگر سب لڑکیاں اسے کنجوس پروین ہی کہتی تھیں کیوں کہ وہ تھی بھی حد درجہ کی کنجوس۔ اس کا دل چاہتا کہ اس کے پاس ڈھیروں چیزیں آتی رہیں، جمع ہوتی رہیں لیکن وہ خود کسی کو کچھ نہ دے۔ ذرا بھی اس کی کوئی چیز اِدھر سے اُدھر ہو جاتی تو وہ پورے گھر میں ایک قیامت برپا کر دیتی۔ کھانے کی اچھی سے اچھی چیز سب کے درمیان میں بیٹھ کر اکیلے اکیلے ہی چٹ کر جاتی۔ کیا مجال جو کسی پاس بیٹھے کو پیش کر دے یا اصرار کر کے اسے بھی کھانے میں شامل کر لے۔ یہی وجہ تھی کہ اتنے امیر باپ کی بیٹی ہونے کے باوجود، اتنے قیمتی کھلونے رکھنے کے باوجود اور اتنے مہنگے مہنگے، پیارے پیارے کپڑے، جوتے پہننے کے باوجود وہ تنہا تھی۔ اکیلی تھی، اس کی کوئی سہیلی نہ تھی۔ سہیلی تو دُور کی بات ہے اس کا تو اصلی نام تک عام لڑکیوں کو معلوم نہ تھا۔ بس سب اسے کنجوس پروین ہی کہا کرتی تھیں۔ اسی لیے جب اس کے ابا جان کا تبادلہ لاہور ہوا تو اسے ملتان اور اپنا اسکول چھوڑنے کا ذرا بھی دُکھ نہ ہوا تھا بلکہ ایک لحاظ سے وہ خوش بھی تھی کہ اب نئے شہر میں جا کر اسے شاید کوئی سہیلی مل جائے جس کے ساتھ کھیلا کرے، ڈھیر ساری باتیں کیا کرے، اسکول کی باتیں، امی کی...... ابو کی...... کھلونوں کی...... کہانیوں کی...... رسالوں کی اور نہ جانے کس کس کی باتیں۔

لیکن ہوا یہ کہ نئے شہر اور نئے اسکول میں جا کر بھی وہ تنہا اور اکیلی ہی رہی۔ ہاں اسکول میں البتہ شروع کے چند روز لڑکیاں اس کے اردگرد ضرور اکٹھی ہوئیں، پھر آہستہ آہستہ خود ہی دور ہٹتی گئیں سوائے ایک لڑکی کے اور وہ تھی عائشہ۔

عائشہ ایک اچھے گھرانے کی بہت پیاری لڑکی تھی۔ تعلیم و تربیت کے لحاظ سے وہ عام لڑکیوں سے بہت آگے تھی۔ ہر ایک کے کام آنا، دوسروں کا بھلا چاہنا اسے بہت پسند تھا۔

عائشہ اپنا کچھ وقت روزانہ اس نئی لڑکی کے پاس ضرور گزارتی۔ یہاں بھی کنجوس پروین کے نام سے اسے پکارا جانے لگا تھا۔ وہ حیران تھی کہ انہیں میرے پچھلے اسکول والے نام کا پتا کیسے چل گیا ہے؟ یہ تو صرف عائشہ تھی جس نے کلاس میں سب لڑکیوں کو منع کر دیا تھا کہ کسی کا غلط نام نہیں لینا چاہیے۔

''اور کسی کو اتنا کنجوس بھی نہیں ہونا چاہیے۔'' دامیہ نے بڑی دانائی کی بات کی۔

''اور کسی کو اتنا کنجوس بھی نہیں ہونا چاہیے۔'' دانیہ نے بڑی دانائی کی بات کی۔

''ہاں! بالکل نہیں ہونا چاہیے لیکن اگر کوئی بدقسمتی سے اس مرض میں مبتلا ہو بھی گیا ہے تو ہمیں اس کا علاج کرنا چاہیے نہ کہ اس کا مذاق اڑاتے ہوئے اس کا نام ہی وہی رکھ دیا جائے۔'' عائشہ نے مسکرا کر دانیہ کو دیکھا۔

''مگر عائشہ! وہ بھی تو انتہا درجے کی کنجوس ہے۔ معلوم ہے کیا کرتی ہے کلاس میں؟ اپنی کتاب بیگ میں سے نکالتی نہیں ہے اور میرے ساتھ چپک جاتی ہے اور اگر کبھی ذرا سی کتاب میری طرف ہو جائے تو فوراً کھسکا کر اپنے آگے کر لیتی ہے جیسے کتاب اس کی ہو اور میں طفیلی، بلکہ ایک دن ٹیچر نے مجھے ڈانٹ دیا تھا کہ اپنی کتاب گھر کیوں بھول آئی ہو؟'' یہ مریم تھی جو اس کی کنجوسیوں کے ہاتھوں کافی عاجز آئی ہوئی تھی۔ ''اور پتا ہے ملکہ عالیہ بڑے مزے سے میرا قلم لے کر شعروں کی تشریح لکھنے لگ جاتی ہے اور میں منہ دیکھتی رہ جاتی ہوں۔'' مروہ نے اپنی آپ بیتی سنائی۔ ''اور بریک ٹائم میں دیکھا ہے سب نے کہ کیسے اکیلے اکیلے کھا رہی ہوتی ہے؟ مجال ہے جو کسی دوسرے کو صلح بھی مار لے۔'' حمنہ نے بُرا سا منہ بنایا۔

''حالانکہ ہم کوئی بھوکے تھوڑی ہیں اس کی چیزوں کے لیکن اسلامی اصول تو یہی ہے کہ سب مل کر کھاؤ، ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کرو، ایک دوسرے کی مدد کرو۔'' یہ مناہل تھی۔

''بھئی اسی اسلامی تعلیم کے تحت ہی تو میں کہہ رہی ہوں کہ ہمیں اس کے ساتھ تعاون کرنا چاہیے، اس کی مدد کرنی چاہیے۔ لہٰذا آج سے کنجوس پروین نام ختم کر کے اس کے اصل نام سے پکارنا چاہیے۔ شائستہ کتنا اچھا نام ہے۔ ہوسکتا ہے کنجوسی چھوڑ کر یہ سچ مچ کی شائستہ بن جائے۔ ہمیں کوشش تو کرنی چاہیے کہ انسان کے ہاتھ میں کوشش اور دُعا ہے۔ کامیابی دینا اللہ کے ہاتھ میں ہے۔'' عائشہ نے مسکراتے ہوئے سب کو قائل کرنا چاہا۔ وہ دل ہی دل میں کوئی ترکیب سوچنے لگی۔

اس دن موسم بڑا سہانا تھا۔ آسمان پر کہیں کہیں بادل کے ٹکڑے تیر رہے تھے۔ ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا کے جھونکے دل کو عجیب فرحت بخش رہے تھے۔ اس وقت موسم کی خوب صورتی میں کچھ اور اضافہ ہو گیا جب معلوم ہوا کہ آج اُردو کی ٹیچر میڈم کے آفس میں مصروف ہیں اور ان کی جگہ عائشہ احمد کلاس کو اپنے طور پر کچھ پڑھائیں گی۔

عائشہ نے لمحہ بھر کے لیے کچھ سوچا پھر چاک لے کر تختہ سیاہ پر الفاظ متضاد لکھ کر موٹا سا لکھا۔ ''کنجوس۔'' ''اس کا متضاد کون بنائے گا؟'' ساری کلاس نے بیک زبان کہا۔ ''سخی۔'' ''شاباش! آج ہم دونوں الفاظ کے بارے میں کچھ بتائیں گے۔'' عائشہ نے مسکراتے ہوئے ساری کلاس پر نظر ڈالی۔

''کنجوس کا متضاد سخی ہے۔ کنجوس اسے کہتے ہیں جس کا دل کسی کو کچھ دینے سے ہچکچائے۔ جو دل کا تنگ ہو۔ بہت کم خرچ کرے اپنے پر یا دوسروں پر، جب کہ سخی کہتے ہیں کھلے ہاتھ والے کو۔ ہر ایک کو خوشی خوشی کچھ دینے والے کو...... اپنی ضرورت روک کر ضرورت مندوں کی ضرورتیں پوری کرنے والوں کو جب کہ کنجوسی کا درس شیطان دیتا ہے۔ سخی بندے اللہ تعالیٰ کو بہت پسند ہیں۔'' عائشہ نے آج کے سبق کی تمہید باندھی اور پھر ایک ایک لڑکی سے کنجوسی کے نقصانات پوچھ پوچھ کر تختہ سیاہ پر لکھنے لگی۔

☆ کنجوس کا دل ہر وقت ڈرتا رہتا ہے کہ میں کہیں غریب نہ ہو جاؤں۔
☆ کنجوس شخص کو اللہ بھی پسند نہیں کرتا۔
☆ کنجوس کا دل سچی خوشی سے محروم رہتا ہے۔
☆ کنجوس کو کوئی پسند نہیں کرتا۔ اس لیے اس کا کوئی دوست نہیں ہوتا۔
☆ کنجوس سے نیکی کے کام کم ہی ہو پاتے ہیں۔
☆ کنجوس کی دوسروں کی نگاہ میں کوئی عزت نہیں ہوتی۔
☆ کنجوس کے چہرے پر کوئی خوب صورتی، کوئی رونق نہیں ہوتی بلکہ ایک پریشانی سی اور ایک ویرانی سی اس کے چہرے پر چھائی رہتی ہے۔
☆ کنجوس کی نہ زندگی اچھی گزرتی ہے اور نہ ہی اسے موت اچھی نصیب ہوتی ہے۔ وہ مرتے دم تک پیسہ پیسہ، مال مال کا ورد کرتا رہتا ہے۔

یوں ایک لڑکی کنجوسی کے نقصانات بتائے جا رہی تھی۔ اِدھر

شائستہ کے دل پر جیسے ہتھوڑے برس رہے تھے۔ ایک ایک بات گویا اسی کے متعلق کہی جا رہی ہو۔

اب سخاوت کے فائدے بتائے جا رہے تھے۔

☆ سخی اللہ کو محبوب ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اسے پسند کرتا ہے۔

☆ سخی کے سب دوست ہوتے ہیں۔

☆ سخی کو اللہ رب العالمین اور زیادہ رزق دیتا ہے۔

☆ سخی کا دل ہمہ وقت خوش باش رہتا ہے۔

☆ سخی کے مال میں برکت ہوتی ہے۔

☆ سخی کسی دوسرے کو دے کر سچی خوشی محسوس کرتا ہے۔

☆ اوپر والا ہاتھ نیچے والے ہاتھ سے بہتر ہوتا ہے۔ یعنی دینے والا ہاتھ لینے والے ہاتھ سے بہتر ہوتا ہے۔

☆ جتنا رزق انسان کو ملنا ہوتا ہے وہ پہلے ہی لکھ دیا گیا ہے اور یہ لکھا ہوا رزق ہر حال میں مل کر رہتا ہے، پھر کنجوسی کرنے سے کیا فائدہ؟

شائستہ کو یوں محسوس ہو رہا تھا کہ جیسے آج کا سارا سبق اسی کے لیے ترتیب دیا گیا ہے مگر وہ حیران تھی کہ بھلا ان لڑکیوں کو کیسے پتا چلا کہ میرے دل کو کبھی سچی خوشی نصیب نہیں ہوئی اور شکل تو واقعی میری سخت بے رونق اور ویران سی ہے۔ ہر وقت ایک سختی سی، ایک کرختگی سی برستی رہتی ہے اور دوست بھی میری کوئی نہیں۔ ہائے کیسی بُری ہوں میں بھی، مگر اس دل کا کیا کروں جو ہر وقت ایک خدشے میں مبتلا رہتا ہے کہ کہیں میں غریب نہ ہو جاؤں۔ کسی کو کچھ دے دیا تو پھر میرے پاس کمی آ جائے گی لیکن سخاوت کے فائدوں میں یہ بھی کوئی لڑکی بتا رہی تھی کہ اللہ تعالیٰ دینے والے کو اور زیادہ عطا کرتا ہے۔ پھر مجھے کنجوسی چھوڑ دینی چاہیے۔ شائستہ کے دل و دماغ میں ایک کشمکش سی برپا رہی۔ نہ جانے کب چھٹی ہوئی اور کب وہ اپنے گھر آ گئی۔

اگلے دن اس نے اسکول میں قدم رکھا ہی تھا کہ سامنے سے اسے عائشہ آتی دکھائی دی۔ شائستہ اسے دیکھتے ہی کھل اٹھی۔ نہ جانے کیوں اسے ساری کلاس میں سے یہی سب سے اچھی لگتی تھی۔ شاید اس لیے کہ وہ کسی کا مذاق نہیں اڑاتی تھی، کسی کو حقیر نہیں سمجھتی تھی۔ ہر ایک کے کام آتی تھی اور ہاں! دوپٹہ بھی بڑے سلیقے سے اوڑھتی تھی۔ دونوں نے ایک دوسرے کو مسکرا کر دیکھا اور سلام کرتے ہوئے قریب آ گئیں۔

''عائشہ دیکھو! میں تمہارے لیے کیا لائی ہوں......؟'' شائستہ نے اپنے بیگ میں سے ایک پیکٹ نکال کر عائشہ کو تھمایا۔

''یہ کیا ہے شائستہ......؟'' عائشہ نے حیرانگی سے پوچھا۔

''اس میں تمہارے لیے ایک تحفہ ہے۔ کل تم نے کلاس میں اتنی اچھی باتیں بتائیں کہ میں شاید مدتوں تک نہ بھول سکوں۔'' شائستہ نے ایک جذبے سے کہا۔

''اوہ! میرے لیے تحفہ......؟ بہت بہت شکریہ شائستہ! لیکن تحفہ تو میں لے کر آج آئی تھی آپ کے لیے۔'' عائشہ نے ہنستے ہوئے ایک بڑا سا پیکٹ شائستہ کی طرف اچھال دیا۔

شائستہ نے فوراً بے قراری سے وہیں پہ کھول لیا۔ بہت خوب صورت بلوچی کڑھائی کا ایک سوٹ تھا اور شائستہ نہایت خوشی خوشی سوٹ کو دیکھتے ہوئے سوچ رہی تھی کہ واقعی جب ہم اللہ کا کوئی حکم مانتے ہیں، اس کی محبت میں کسی کو کچھ دیتے ہیں تو اللہ تعالیٰ اس کے بدلے میں کہیں زیادہ ہمیں دیتا ہے اور ایسی جگہ سے دیتا ہے جہاں سے ہمیں گمان تک نہیں ہوتا، سوچا بھی نہیں جا سکتا۔ میں تو عائشہ کے لیے صرف ایک سکارف لائی ہوں۔ وہ بھی گھنٹہ بھر رات کو سوچنے پر لگا دیا کہ دوں یا نہ دوں اور اللہ پاک نے مجھے فوراً ہی پورا سوٹ دے دیا۔ وہ بھی اس قدر خوب صورت اور سوٹ سے کہیں زیادہ خوشی تو میرے اندر کی خوشی ہے جو آج عائشہ کو سکارف دے کر مجھے ہو رہی ہے۔ واقعی کسی کو چیز دے کر زیادہ خوشی ہوتی ہے۔ میں نہ جانے کیوں اتنا عرصہ اس خوشی سے محروم رہی۔ اب ان شاء اللہ دل چھوٹا نہیں کروں گی۔ شائستہ نے مسکرا کر عائشہ کو دیکھا اور اس کا شکریہ ادا کیا۔ عائشہ اس کی دلی کیفیت بھانپ کر اس کے دیئے ہوئے تحفے کو پا کر بہت خوش تھی کہ اس کی ترکیب کام یاب رہی اور شائستہ کی کنجوسی دُور ہو گئی۔ ☆☆

حکیم محمد سعید

غلام حسین میمن

9 جنوری 1920ء کو دہلی میں آنکھ کھولنے والے حکیم محمد سعید کا بچپن بے حد شرارتی گزرا۔ انہوں نے بچپن کے ہر کھیل میں حصہ لیا مگر ان سب کے ساتھ ساتھ وہ بڑوں کی عزت کرنا کبھی نہ بھولے۔ وہ علم حاصل کرنے میں بھی سب سے آگے تھے۔

ابھی ان کی عمر دو سال ہی تھی کہ ان کے والد اور ہمدرد دوا خانے دہلی کے بانی حکیم عبدالمجید کا انتقال ہو گیا۔ اب ان سمیت دیگر بہن بھائیوں کی پرورش کی تمام تر ذمہ داری ان کی والدہ اور بڑے بھائی حکیم عبدالحمید نے نبھائی۔ ان کی والدہ رابعہ ہندی نے پردے میں رہتے ہوئے نہ صرف بچوں کی بہتر انداز میں پرورش کی، بلکہ شوہر کے کاروبار پر بُری نظریں جمانے والے اپنے بھائیوں کا بھی ڈٹ کر مقابلہ کیا۔

1939ء میں حکیم محمد سعید نے طب کا امتحان پاس کر لیا تو اگلے سال ہی بڑے بھائی حکیم عبدالحمید نے انہیں ہمدرد صحت کی ادارت کی ذمہ داری سونپ دی۔ ہمدرد صحت کو پہلے بڑے بھائی دیکھا کرتے تھے۔ حکیم محمد سعید نے یہ ذمہ داری آخری لمحات تک نبھائی۔

یہ وہ دور تھا جب پاکستان کی آزادی کی تحریک زوروں پر تھی۔ ہمدرد منزل دہلی میں بھی ان دنوں سیاسی لوگوں کی آمدورفت رہتی تھی۔ انہوں نے آزادی کی اس تحریک کو اپنی آنکھوں سے لمحہ بہ لمحہ دیکھا۔ 3 جون 1947ء کا وہ یادگار دن بھی آیا جب آزادی کی منزل قریب نظر آنے لگی۔ اس دن آل انڈیا ریڈیو دہلی سے وائسرائے ہند لارڈ ماؤنٹ بیٹن اور قائداعظم محمد علی جناح سمیت ہندوستان کے دیگر رہنماؤں نے آزادی سے متعلق تقاریر کیں۔ اس روز ہی ریڈیو سے وائسرائے ہند نے ہندوستان کو جلد آزادی دینے کا اعلان بھی کیا۔ یہی وہ لمحات تھے جب حکیم محمد سعید نے خود پاکستان میں رہنے کا فیصلہ کیا۔ وہ کراچی آ کر اپنے لیے ایک گھر پسند کر کے خرید چکے تھے۔

14 اگست 1947ء کو پاکستان کا قیام، اللہ تعالیٰ کی طرف سے مسلمانوں کے لیے کسی نعمت سے کم نہ تھا۔ حکیم محمد سعید پاکستان جانے کا فیصلہ تو کر ہی چکے تھے، مگر ابھی گھر والوں کو اس فیصلے سے آگاہ نہیں کیا تھا۔ جب انہوں نے سب کو یہ بات بتائی تو وہاں گویا بم کا گولہ سا پھٹ گیا۔ ماں افسردہ تھی کہ اس کا سب سے لاڈلا بچہ آنکھوں سے کوسوں دُور جانے کا فیصلہ کر چکا تھا۔ بڑے بھائی حکیم عبدالحمید بھی پریشان تھے کہ وہ تو چھوٹے بھائی کے سہارے ہمدرد دواخانہ دہلی کو اور وسعت دینے کا سوچ چکے تھے۔

فیصلہ ہو چکا تھا، اس لیے محبتوں کی یہ دیواریں انہیں روک نہ سکیں۔ نئے ملک میں آ کر کام کرنا آسان نہ تھا۔ دن بھر کام کی تلاش اور کچھ کرنے کا عزم انہیں تھکا ضرور دیتا تھا، مگر حوصلے بلند رہے۔ بالآخر انہوں نے کراچی میں بھی ہمدرد دوا خانے اور لیبارٹری کی بنیاد ڈالی۔ کام بڑھتا گیا اور پھر کام یابی نے ان کے

قدم چومے۔

انہوں نے 1953ء میں ہمدرد نونہال کا آغاز کیا اور اس کی ادارت کی ذمہ داری مسعود احمد برکاتی کے سپرد کی۔ ہمدرد صحت تو وہ پہلے ہی کراچی سے دوبارہ جاری کر چکے تھے۔ 1964ء میں انہوں نے ہمدرد فاؤنڈیشن کی بنیاد رکھ کر اسے صحیح معنوں میں انسانیت کے لیے ہمدرد بنا دیا۔

حکیم محمد سعید کو ادارہ ساز بھی کہا جاتا ہے۔ انہوں نے ہمدرد کے پلیٹ فارم سے کئی شہروں میں لیبارٹری اور تعلیمی اداروں سمیت کئی ادارے قائم کیے۔ ان کا اصل میدان طب تھا، اس لیے وہ خود کو ہمہ وقت خدمت خلق میں مصروف رکھتے تھے۔

سفر سے ان کا واسطہ اتنا رہا کہ انہیں پاکستان کا ابن بطوطہ کہا جانے لگا۔ انہوں نے جن ممالک کو دیکھا، بڑوں اور نوجوانوں کے لیے اس کے بے حد معلوماتی سفرنامے لکھے۔ بچوں سے ان کی محبت نے یہ کام بھی کرایا کہ انہوں نے بچوں کے لیے بھی سفرنامے لکھ کر یہ منفرد اعزاز حاصل کیا کہ بچوں کے لیے سب سے زیادہ سفرنامے انہی کے لکھے ہوئے ہیں۔ اس کے علاوہ انہوں نے دیگر موضوعات پر بھی کتابیں تحریر اور ترتیب دی ہیں۔

انہوں نے پاکستان کی ترقی اور صحیح سمت کے تعین کے لیے ہمدرد مجلس شوریٰ قائم کی، جہاں دانش ور بیٹھ کر غور و فکر کرتے ہیں اور اپنی تجاویز حکومتی ایوانوں کو بھجواتے ہیں۔ انہوں نے بچوں کے لیے ہمدرد نونہال اسمبلی بھی بنائی جس میں اسپیکر اور ارکان، سب ہی بچے ہوتے ہیں جو اسمبلی کی کارروائی چلاتے ہیں۔

انہوں نے اپنی خواہش کے برخلاف ایک بار قومی اسمبلی کا انتخاب بھی لڑا۔ سابق صدر پاکستان جنرل محمد ضیاء الحق کے وہ مشیر طب بھی رہے۔ 1993ء میں وہ چھ ماہ کے لیے سندھ کے گورنر بھی رہے۔ اس دوران ان کا یہ کارنامہ یاد رکھا جائے گا کہ انہوں نے صوبہ سندھ میں چار نئی جامعات کو اجازت نامے دلوائے۔ ان تمام مصروفیات کے باوجود انہوں نے کبھی اپنے مطب کا ناغہ نہیں کیا۔

ان کا سب سے بڑا کارنامہ ''مدینۃ الحکمت'' کا قیام ہے۔ یہ ایک ایسا علمی شہر ہے جہاں بچوں کے لیے ہمدرد پبلک اسکول، مسجد، ہمدرد یونی ورسٹی، کانفرنس ہال کے علاوہ پاکستان کی سب سے بڑی لائبریری بنانے کی خواہش لیے ایک بڑا کتب خانہ ''بیت الحکمت'' بھی موجود ہے جہاں ہر موضوع پر کئی زبانوں میں کتابیں اور نوادرات کا بڑا ذخیرہ موجود ہے۔ علم و حکمت کا یہ شہر حکیم محمد سعید کا وہ کارنامہ ہے جو انہیں تاریخ کے صفحات میں ہمیشہ زندہ رکھے گا۔

وہ صحیح معنوں میں پاکستان کے بانیوں میں شامل تھے۔ جب ملکی حالات خراب ہونے لگے تو انہوں نے ہر پلیٹ فارم پر اس کا احتجاج کیا۔ ملک کے دشمنوں کو ان کا یہ انداز پسند نہ آیا۔ 17 اکتوبر 1998ء کی صبح جب وہ اپنے مطب کے قریب پہنچے تو گولیاں مار کر انہیں شہید کر دیا گیا۔ اسی شام انہیں مدینۃ الحکمت میں دفن کر دیا گیا۔

ملکی اور غیر ملکی اعزازات ان کی خدمات کا اعتراف ہیں۔ پاکستان کے محکمہ ڈاک نے ان پر یادگاری ٹکٹ بھی جاری کیا۔ ملکی سطح پر ہر سال ان کی سال گرہ والے دن 9 جنوری کو ''قومی یوم اطفال'' بھی منایا جاتا ہے۔

''کھوج لگائیے'' میں حصہ لینے والوں کے نام

رمشہ قیصر، توقیر احمد، مقدس توحید، عیشہ جمیل، محمد شادمان صادق، حانیہ رضا، محمد علی عمران، میراب فاطمہ، محمد افضل انصاری، مناہل صفدر، محمد زوہیب، محمد حمزہ خوشنود، شہزادی خدیجہ شفیق، لاہور۔ قاسم شوخ، شیخوپورہ۔ شاہد سلیم، کچا موڑ۔ کرن فاروق، ثمرہ طارق بٹ، انیس الرحمٰن، محمد ہاشم اسلم، گوجرانوالہ۔ شانزے عزیز، طلحہ اعجاز، صوابی۔ محمد احمد، [illegible] غنی۔ احمد علی، ایبٹ آباد۔ محمد عرفان اقبال، دنیاپور۔ محمد عثمان علی، جھنگ صدر۔ مشیرہ سراج، مہوش سرور، فائز محمد فاروق، کراچی۔ ماب زینت، جہلم۔ عشاء سعید، ٹوبہ ٹیک سنگھ۔ محمد حمزہ لغاری، میاں والی۔ عارفہ شیخ، کوٹری۔ شکریہ صدیق، وہاڑی۔ بلال احمد جمید، سمندری۔ عیشہ مرتضیٰ، میانی۔ رائعہ سلیم، محمد حنظلہ سعید، لائبہ رانا، فیصل آباد۔ شاہ میر شعیب، ریان شعیب، ملتان۔ سیدہ نور المنتہیٰ، سلیمان علی اعوان، راول پنڈی۔ حمزہ عباس، دیپالپور۔ ارحم اللہ، اسلام آباد۔ سید تحسین حیدر، کوٹ مومن۔ اسد علی انصاری، ملتان۔ محمد جنید بشیر، راہوالی۔ مدینہ نور، کوٹری۔

بے عملی

(سحر اشفاق، واہ کینٹ)

''امی جان...... امی جان دیکھیئے بچوں کے مشہور و معروف رسالے میں میری کہانی انعام یافتہ قرار پائی ہے۔''

یاسر نے گھر میں داخل ہوتے ہی شور برپا کر دیا۔ یاسر کی امی جو کہ باورچی خانے میں کھانا تیار کر رہی تھیں، بولیں: ''کیا بات ہے بیٹا! لگتا ہے بہت خوش ہو۔''

''جی امی جان! دیکھیئے یہ بچوں کا پسندیدہ اور مشہور رسالہ ہے۔ گزشتہ ماہ اس میں مقابلہ کہانی نویسی کا اشتہار شائع ہوا تھا۔ میں نے بھی مقابلے میں کہانی ارسال کی تھی اور اس ماہ نتائج کا اعلان ہوا ہے۔ میری کہانی نے پہلا انعام حاصل کیا ہے۔''

یاسر بہت خوش تھا اور خوش کیوں نہ ہوتا، اس نے جب سے بچوں کے رسائل میں لکھنا شروع کیا تھا اسے پہلی بار انعام ملا تھا۔

یاسر دسویں جماعت کا طالب علم تھا۔ وہ بہت محنتی لڑکا تھا۔ ابھی وہ پانچ سال کا تھا کہ والد کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ یاسر کی امی بہت ہی نیک صفت عورت تھیں۔ انہوں نے یاسر کو کبھی باپ کی کمی محسوس نہ ہونے دی اور خود لوگوں کے گھروں میں کام کر کے اور کپڑے سلائی کر کے یاسر کو پڑھانا شروع کر دیا۔ یاسر کو بچوں کی کہانیاں پڑھنے کا بہت شوق تھا۔ رفتہ رفتہ پڑھنے کا یہ شوق لکھنے میں بدل گیا۔ پہلے پہل اس کی بہت سی تحریریں ناقابل اشاعت ہوئیں مگر جب اس کی گرفت قلم پر مضبوط ہو گئی تو وہ اچھی کہانیاں لکھنے لگا اور اب تو اسے ملک کے معروف رسالے کی طرف سے پہلا انعام بھی ملا تھا۔

''یاسر بیٹے! لاؤ دکھاؤ تو تمہاری کون سی کہانی انعام یافتہ ٹھہری ہے۔'' یاسر کی امی نے یاسر کی طرف متوجہ ہوتے ہوئے کہا۔

''یہ دیکھیئے امی جان! میری کہانی مومن کی معراج۔'' یاسر نے اپنی کہانی کا عنوان بتاتے ہوئے کہا۔ ''میں نے یہ کہانی نماز کے متعلق لکھی ہے کہ نماز مومن کی معراج ہے۔ امی جان یہ بہت سبق آموز کہانی ہے۔''

''بہت خوب یاسر بیٹے! تمہارا موضوع تو خوب ہے اور واقعی یہ سچ بھی ہے مگر مجھے تمہاری کام یابی پر کوئی خوشی نہیں ہوئی بلکہ میں تو تم سے سخت ناراض ہوں۔''

''امی جان! آپ مجھ سے ناراض کیوں ہیں؟ میں نے آخر کیا قصور کیا ہے؟''

''بیٹا! یہ تو اوروں کو نصیحت اور خود میاں فضیحت والی بات ہوئی ناں۔ تم خود تو اتنے لاپرواہ ہو کہ کبھی نماز کی فکر نہیں کی۔ صبح فجر کے وقت تمہیں سو بار جگانا پڑتا ہے مگر پھر بھی تم اکثر نماز چھوڑ دیتے ہو۔ ایسی بات دوسروں کو سمجھانے سے کیا فائدہ ہو جس پر خود عمل نہ کیا جائے۔ اس لیے تمہیں اس کہانی کے لکھنے سے انعام تو مل سکتا ہے مگر بے عمل کی کہی ہوئی بات سے کوئی راہ راست پر نہیں آ سکتا۔''

''چھوڑیئے نا امی جان! آپ مجھے جلدی سے کھانا دیں۔ بڑے زوروں کی بھوک لگی ہے۔'' یاسر نے بات ٹالتے ہوئے کہا۔

کھانا کھا کر فارغ ہوا تو یاسر اپنے ہم جماعت ندیم کو اپنی کہانی دکھانے کے لیے اس کے گھر چلا گیا۔ ندیم بھی یہ دیکھ کر بہت خوش ہوا اور اسے خوب داد دی۔ یاسر جب واپس آیا تو رات اپنے سفر کا آغاز کر چکی تھی۔ آتے ہی یاسر بستر پر لیٹ گیا اور گہری نیند سو گیا۔

یاسر کو سوئے ہوئے ابھی چند لمحے ہی ہوئے تھے کہ دروازے پر دستک ہوئی۔ دروازہ کھولا تو سامنے ایک نورانی چہرے والے بزرگ کو کھڑے پایا۔ ''یاسر تمہارا نام ہے؟'' بزرگ نے پوچھا۔

''جی ہاں! مگر آپ کو کیسے معلوم ہوا؟'' یاسر بولا۔

"میں تمہیں سزا دینے کے لیے آیا ہوں۔" بزرگ نے کہا۔
"مگر کیوں؟" یاسر نے سوال کیا۔
"میرا کام دُنیا میں صرف یہ دیکھنا ہے کہ کون کون، کہاں جھوٹ اور فریب سے لوگوں کو دھوکہ دے رہا ہے۔ تم لوگوں کی اصلاح کرتے ہو اور خود بے عمل ہو۔ تمہیں اس گناہ پر کڑی سزا دی جائے گی۔ بے عمل لوگوں سے اللہ تعالیٰ کو بے حد نفرت ہے۔ میں اسی لیے تمہیں لینے آیا ہوں اور تمہیں تمہاری غلطی کی سزا دی جائے گی تاکہ تم آئندہ ایسی حرکت نہ کرو۔" یہ کہتے ہی بزرگ نے یاسر کی طرف ہاتھ بڑھائے۔ یاسر چیخ اٹھا۔ "امی جان...... امی جان مجھے بچائیں، میں آئندہ ضرور نماز پڑھوں گا۔"
یاسر کی آواز سن کر اس کی امی جلدی سے اس کے کمرے میں پہنچیں۔ "یاسر!...... یاسر بیٹے کیا بات ہے؟"
"امی جان! کہاں گئے وہ بزرگ؟"
"کون سے بزرگ بیٹے؟" امی کے پوچھنے پر یاسر نے سارا خواب سنایا اور وعدہ کیا کہ وہ آئندہ کبھی نماز نہیں چھوڑے گا اور نہ ہی کسی ایسے عمل کی دوسروں کو ترغیب دے گا جس پر وہ خود عمل پیرا نہ ہو۔
(پہلا انعام: 120 روپے کی کتب)

حلال و حرام

(ثمامہ انور، گوجرانوالہ)

افضال اور آفاق دونوں بچپن کے دوست تھے۔ وہ ایک دوسرے کا بہت خیال رکھتے تھے۔ انہوں نے اپنی پیشہ وارانہ زندگی کا آغاز پولیس ڈیپارٹمنٹ سے معمولی عہدے پر ملازمت سے کیا۔ چند ہی برسوں میں افضال نے معمولی ملازمت سے گھر، کار اور بینک بیلنس کے علاوہ اچھے عہدے پر ترقی حاصل کر لی جب کہ آفاق آج بھی اسی عہدے پر معمولی ملازم تھا۔ اس کی وجہ اس کی ایمان داری تھی۔ آج بھی دونوں کی دوستی تروتازہ تھی۔ اگرچہ افضال معاشی لحاظ سے بہت مستحکم تھا، مگر دوستی کے لوازمات میں افضال کوئی بے ایمانی نہ کرتا تھا۔ دونوں دوست اکٹھے گھومتے پھرتے، مگر ایک دوسرے کے انتہائی ذاتی معاملات میں نہ جھانکتے۔ آفاق اکثر سوچا کرتا تھا کہ افضال کو کیا ہو گیا ہے، وہ ایسا تو نہیں تھا کیوں کہ آفاق، افضال کو بچپن سے جانتا تھا۔ جب ہی آفاق، افضال کی اصلاح کرنا چاہتا تو افضال بات گول مول کر دیتا۔ اس طرح وقت گزرتا گیا۔ دونوں کے بچے جوان ہو گئے۔ افضال نے اپنے بچوں کو اعلیٰ تعلیم کے ساتھ زندگی کی تمام سہولتیں فراہم کیں جب کہ آفاق اپنی معمولی تنخواہ سے اپنی اولاد کو صرف سرکاری اسکولوں میں پڑھا سکا۔ اس کے دونوں بیٹے انٹر سے آگے نہ بڑھ سکے۔ افضال کے بھی دو بیٹے اور ایک بیٹی تھی۔ دونوں دوستوں پر بڑھاپے کی آمد ہو چکی تھی مگر افضال اچھی صحت کی وجہ سے اپنی عمر سے چھوٹا ہی نظر آتا تھا جب کہ آفاق اپنی عمر سے زیادہ۔ آفاق کی بیوی جب افضال کی بیوی بچوں کو دیکھتی تو آفاق سے لڑتی کہ تم آج بھی معمولی کلرک ہو جب کہ افضال بھائی کتنی ترقی کر چکے ہیں، کتنا کما چکے ہیں۔ آفاق بے چارہ خاموشی سے بیوی کی ہر بات سن لیتا کیوں کہ واقعی افضال نے بہت کچھ حاصل کر لیا تھا۔ افضال کا شمار شہر کے بڑے بڑے لوگوں میں ہونے لگا۔ دونوں کی دوستی آج بھی قائم تھی۔ دونوں ایک دوسرے کے ساتھ وقت گزارا کرتے تھے۔ چونکہ اب مصروفیات بہت زیادہ ہو چکی تھیں اس لیے اکٹھے ہونے کا موقع کم ہی ملتا تھا۔ لوگ حیران ہوتے تھے کہ دونوں دوستوں میں معاشی لحاظ سے کتنا فرق ہے۔ افضال، آفاق کو سمجھاتا یار ایمان داری کے چکر میں لگے تو کچھ نہ کر سکو گے، یہ دور ہی ایسا ہے کہ ہر طرح سے اور ہر طرف سے کماؤ۔ آفاق، افضال کی بات سن کر افسردہ ہو جاتا۔ وہ کہتا ریٹائرمنٹ ہونے والی ہے، اب بے ایمانی کیا کرنی ہے۔ فرض اور ضمیر کی کشمکش میں الجھا ہوا آفاق بہت پریشان رہنے لگا کیوں کہ وہ اپنی اولاد کے لیے کچھ نہیں کر سکا۔ آفاق کے بیٹوں کے پاس اچھی تعلیم نہ تھی اس لیے انہوں نے ماں کا زیور بیچ کر کپڑے کا چھوٹا سا کاروبار شروع کر لیا تاکہ ابو کی ریٹائرمنٹ کے بعد گھر کا خرچہ چلتا رہے۔ افضال کے بچے اپنے والدین کا بالکل خیال نہ رکھتے۔ باپ کا کہنا نہ ماننے اور آزادی کے چکر میں غلط راہ پر چل نکلے۔ اولاد کو یوں تباہ ہوتے دیکھ کر افضال کو بے حد صدمہ ہوتا۔ بیٹی بھی

خود سر نکلی۔ سمجھانے پر ٹکا سا جواب دے کر چلی جاتی۔ دونوں دوستوں نے چونکہ اکٹھے ملازمت کا آغاز کیا تھا اس لیے اکٹھے ریٹائرڈ ہوئے۔ اب افضال اپنا زیادہ تر وقت آفاق کے ساتھ بساط کھیلنے میں گزارتا، دونوں اپنے گزرے ہوئے وقت کو یاد کرتے۔ آفاق نے ایمان داری کا دامن کبھی نہ چھوڑا جس کی وجہ سے آج وہ بہت پرسکون تھا جب کہ افضال کو ہر وقت ایک انجانا سا خوف گھیرے رہتا۔ جب آفاق کے بیٹے آفاق سے گلے ملتے، اس سے ہنستے بولتے تو افضال کی آنکھوں میں خودبخود آنسو آ جاتے کہ جس اولاد کو اتنی محبت دی، انہوں نے مجھے نظر انداز کر دیا۔ افضال کے بیٹے ناجائز کما رہے تھے، ان کے پاس باپ سے بات کرنے اور طبیعت کے بارے میں پوچھنے کا وقت ہی نہ تھا۔ افضال کو اب احساس ہو رہا ہے کہ آفاق نے ایمان داری کا کتنا اچھا صلہ پایا ہے۔ اس کی ساری زندگی کی ریاضت کس ٹھکانے لگی۔ اولاد کو حلال کھلانے سے ان میں والدین کی محبت، رشتوں کا تقدس اور انسانیت کے احترام جیسے وصف پیدا ہوتے ہیں جب کہ حرام اولاد کے خون میں سرایت کر جائے تو اولاد ماں باپ سے باغی ان کے احترام سے ناواقف ہو کر غلط راہ پر چل پڑتی ہے۔ اب پچھتانے سے کیا فائدہ تھا کیوں کہ 45 سال کا طویل عرصہ گزر چکا تھا۔ کل تک افضال خوش و خرم ہوا کرتا تھا مگر آفاق کے چہرے پر بچی مسرت اس کی خوشی کا پتا دیتی تھی۔

(دوسرا انعام: 100 روپے کی کتب)

دوسری پٹائی

(عبداللہ ایوب، جہلم)

ہم نے تو خراٹا بھی پورا نہ کیا ہو گا کہ ابا نے ایک طمانچہ لگا کر جگا دیا۔ ہم ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھے۔ ''چل اسکول! پرچہ ہے اور میرا منہ تک رہا ہے، ایسے کہ میں نے پرچہ دینا ہے۔''

اُدھر سے باورچی خانہ سے امی بولیں: ''جب نتیجہ نکل جائے گا تو آپ کو پتا چل جائے گا کہ میرے لال نے کتنی زیادہ محنت کی ہے!''

اماں بھی کتنی بھولی ہیں! جب نتیجہ ہی نکل جائے گا تو رزلٹ کیسے پتا چلے گا؟ ہم نے اسکول کی وردی پہنی اور پاکٹ ٹٹولی کہ ہماری ''بوٹی'' موجود تھی بھی کہ نہیں۔ جب اسکول پہنچے تو پرچہ شروع ہونے میں ابھی 20 منٹ تھے۔ اچانک پرنسپل صاحب کلاس میں داخل ہوئے اور سب بچوں نے کھڑے ہو کر ان کا استقبال کیا مگر ہم نے سوچا بھلا یہ کوئی بات ہے؟ جب ہم کل پرنسپل صاحب کے آفس میں داخل ہوئے تھے تو انہوں نے تو کچھ نہ کہا یا کیا تھا۔ حالانکہ ہم شرارتوں میں سب سے آگے ہیں اور ماسٹر جی پیار سے کبھی کبھی چند تھپڑ بھی لگا دیتے ہیں۔ یہ سب سوچ کر ہم بیٹھے رہے کہ ماسٹر جی گرجے۔ ''ناصر!''

ہمیں مجبوراً اُٹھنا پڑا۔ پرنسپل صاحب نے سب بچوں سے پوچھا: ''پرچے کی تیاری مکمل ہے؟''

اور ہم نے بھی سب بچوں کے ساتھ ہاں میں ہاں ملا دی۔

''نقل وقل تو نہیں کرتے آپ کے شاگرد؟'' پرنسپل صاحب اب ماسٹر جی سے گویا ہوئے جن کے ہوش اڑ گئے کیوں کہ اگر چھٹی جماعت کی ''ہسٹری'' پڑھی جائے تو پچاس سے زیادہ دفعہ نقل ہوئی تھی لیکن آخرکار بڑے اطمینان سے ماسٹر جی نے جواب دیا: ''نہیں جی! بڑے ہونہار لڑکے ہیں!''

ہم سب بڑے مزے سے پرنسپل صاحب کے مشکل سوال اور ماسٹر جی کے جھوٹ سن رہے تھے کہ پرنسپل صاحب نے کہا: ''آج میں یہاں ڈیوٹی دوں گا۔'' ہم سب بچے تو بس پریشان ہی ہوئے، مگر ماسٹر جی کے پاؤں کے نیچے سے تو گویا زمین ہی نکل گئی۔ انہوں نے خدا حافظ کہا اور باہر جا کر غائب ہو گئے۔ اِدھر ہم نے سوچا کہ ''بوٹی'' نکالنی چاہیے اور اُدھر پرنسپل صاحب کی نظریں سب کو گھور رہی تھیں۔ اچانک پیچھے سے احمد بولا:

''اوئے ناصر! بوٹی دے۔''

ہم نے ''بوٹی'' نکالی کہ پکڑے گئے!! اُدھر سے ماسٹر جی کھڑکی سے ہم پر گالیاں برسانے لگے اور اِدھر ماسٹر جی والا ڈنڈا پرنسپل صاحب نے ہماری کھوپڑی پر مارا اور ہمارے ہوش ٹھکانے کر دیے۔ یہ تو تھی پہلی پٹائی۔ گھر جا کر ابا نے جو دوسری پٹائی کی، اس کے بارے میں آپ نہ ہی پوچھیے تو بہتر ہے۔

(تیسرا انعام: 80 روپے کی کتب)

☆......☆......☆

ابا جان کو جانور پالنے کا بہت شوق تھا۔ گھر کے کھلے صحن میں انہوں نے مرغیاں پال رکھی تھیں۔ آج وہ خرگوش بھی لے کر آئے تھے۔ سفید سفید خرگوش بہت خوب صورت لگ رہے تھے۔ پورے صحن میں وہ ایسے بھاگتے کہ کسی کے ہاتھ نہ آتے تھے۔ چھوٹا منا بڑی دل چسپی سے یہ سب دیکھ رہا تھا۔ اسے کچھوے اور خرگوش کی کہانی یاد آ گئی جو دادی جان نے اسے سنائی تھی۔ دادی جان بھی سب بچوں کے ساتھ جانوروں کو دانہ ڈال رہی تھیں۔ منے نے دادی جان کو کچھوے اور خرگوش کی کہانی سنانے کو کہا۔ دادی جان بولیں: ''بچو کہانی سے پہلے ایک پہیلی بوجھو۔ اور بولیں کہ ایک خرگوش اور کچھوے نے 100 گز لمبے میدان میں دوڑنا شروع کیا۔ خرگوش 10 گز دوڑنے کے بعد 2 منٹ ٹھہرتا ہے تو بتایئے کون ہارے گا؟ سب بچے سوچ میں پڑ گئے۔

''پیارے بچو! آپ بھی سوچ کر بتائیں کہ اس پہیلی کا کیا جواب ہے؟''

دسمبر 2013ء میں شائع ہونے والے ''کھوج لگائیے'' کا صحیح جواب یہ ہے کہ پچاس آدمی بھی ڈیڑھ گھنٹے ہی میں یہ فاصلہ طے کریں گے۔

دسمبر 2013ء کے کھوج لگائیے میں قرعہ اندازی کے ذریعے درج ذیل بچے انعام کے حق دار قرار پائے ہیں:

1۔ ماجد اقبال، کراچی
2۔ زنیرہ ہارون، نوشہرہ
3۔ عروج ندیم، مردان
4۔ ایمن رانی، کمالیہ
5۔ ثریا جمیل، جھنگ۔

پیارے ساتھیو! اس ماہ بھی آپ کے بہت سے خوب صورت اور پیارے خطوط موصول ہوئے ہیں۔ ماہ نور مشتاق، لاہور۔ سیف الرحمٰن، راول پنڈی۔ ماہ نور فاطمہ۔ انیس فاطمہ، وزیر آباد۔ طیبہ اسحاق، ایبٹ آباد۔ شمس النساء، گجرات۔ سید تحسین حیدر کاظمی، سرگودھا۔ محمد حبیب الرحمٰن صدیقی۔ ان پیارے ساتھیوں نے پہلی مرتبہ ہماری محفل میں شرکت کی ہے۔ ان سب کو ہم خوش آمدید کہتے ہیں۔ آئندہ بھی اپنی تنقید اور تحریروں کے ساتھ شامل ہوں۔ شکریہ۔

☆ **تحریم السلام ولد نثار احمد اور سید عبداللہ ذیشان، بہاول پور آپ سالانہ خریدار بننے کے لیے 500 روپے کا منی آرڈر سرکولیشن منیجر کے نام ارسال کریں۔**

دسمبر کا شمارہ زبردست تھا۔ میں نے دسمبر ٹیسٹ میں تیسری پوزیشن لی ہے دعا کریں سالانہ امتحان میں اول پوزیشن آئے۔

(محمد حنظلہ سعید، فیصل آباد)

میں خیریت سے ہوں۔ میرے امتحان تھے۔ میرے اور میری بہنوں کے لیے کام یابی کی دعا کریں۔ (فضہ سکندر، سرگودھا)

دسمبر کا شمارہ پڑھ کر دل خوش ہوگیا۔ دسمبر میں میرے امتحان ہو رہے ہیں۔ فرسٹ پوزیشن کے لیے دعا کریں۔

(امیز فاطمہ، عائشہ فاطمہ، گوجرانوالہ)

☆ **آپ سب بچوں کی امتحان میں کام یابی کے لیے بہت سی دعائیں۔**

میں نے تقریباً چار ماہ کے بعد خط لکھا ہے۔ کیوں کہ میرے سہ ماہی امتحان ہو رہے تھے اور میری اول پوزیشن آئی ہے۔

(ماہ زینت، جہلم)

تعلیم و تربیت ایک اچھا رسالہ ہے۔ میں بچپن سے اس کی قاری ہوں۔ جنوری میں میری سال گرہ ہے۔ (فائقہ، لاہور)

تعلیم و تربیت میرا محبوب رسالہ ہے۔ میرے امتحان کے لیے دعا کریں اور 7 دسمبر کو میری سال گرہ ہے۔ کیا چچا تیز گام ختم کر دیا گیا ہے؟

(ایمان علی، راول پنڈی)

رسالہ پڑھ کر بہت مزہ آیا۔ اس بار سوالات بہت مشکل تھے۔ 22 دسمبر کو میری سال گرہ ہے۔ (ذیشان احمد صدیقی، کندیاں)

رسالے کے سرورق پر قائداعظم کی تصویر نے چار چاند لگا دیئے۔ ہیرو، پہلا قدم اور نیکی کا سفر تجسس سے بھرپور تھیں۔ 31 دسمبر کو میری سال گرہ ہے۔ (راجہ ثاقب محمود، پنڈ دادنخان)

دسمبر میرے لیے دہری خوشی لے کر آیا کیوں کہ اس ماہ میری اور میرے پاپا کی سال گرہ ہوتی ہے۔ میرے سالانہ امتحان ہو رہے ہیں۔ دعا کریں۔ میری چھوٹی بہنیں مشیرہ اور خدیجہ بھی بڑے ذوق وشوق سے رسالہ پڑھتی ہیں۔ (مریم سلیمان بٹ، گوجرانوالہ)

دسمبر کا شمارہ زبردست تھا۔ نیلی روشنی کا راز، دیوالی کی رات، آئی ہے بارات ٹاپ پر تھی۔ جنوری میں میری سال گرہ ہے۔ مجھے مبارک دیں۔

☆ **دسمبر اور جنوری میں جن کی سال گرہ ہے انہیں اللہ تعالیٰ صحت و تندرستی دے، دین کی سمجھ بوجھ دے اور اچھا انسان بنائے۔**

میں نے شیر اور شیرنی کی تصویر بھیجی تھی۔ اس دفعہ پھر بھیجی ہے اب قسمت پر منحصر ہے کہ انعام حاصل کرتے ہیں یا نہیں۔ ہمارے اسکول میں 80 فیصد سے اوپر نمبر حاصل کرنے والوں کو میڈل پہنایا گیا تھا جس میں میں بھی شامل ہوں۔ (ثریا جمیل، روڈو سلطان)

☆ **آپ سب کو مبارک ہو مزید محنت کیجیے۔**

کیا آپ مجھ سے ناراض ہیں؟ میرا خط ردی کی ٹوکری میں ڈال دیتے ہیں۔ میں دو سال سے یہ رسالہ پڑھ رہا ہوں۔ مجھے دو انعامات ابھی تک نہیں ملے۔ (محمد احمد رضا انصاری، کوٹ ادو)

☆ **آپ انعامات کے لیے دوبارہ رابطہ کریں۔**

دسمبر کا شمارہ زبردست تھا۔ میری زندگی کے مقاصد کا سلسلہ بند کر دیں۔ کہانی کا موضوع دے کر اس پر انعام دیا جائے۔ اس سے بچوں میں اچھا لکھنے کا رجحان پیدا ہوگا۔ لطائف کا معیار بھی بہتر کریں۔ لطیفے پڑھ ہنسنا تو دور کی بات ہے بے اختیار رونا آجاتا

ہے۔ امید ہے میری تنقید کو کھلے دل سے قبول کریں گے۔

(حمزہ ذوالفقاری، میاں والی)

کچھ ماہ سے رسالہ 1 یا 2 تاریخ کو ہی مل جاتا ہے۔ جو کہ خوش آئند بات ہے۔ کسی ماہ تو سرورق بہت شان دار ہوتا ہے اور کبھی گزارے لائق۔ اس طرف محنت اور توجہ دیں۔ صرف تعریف والے ہی خط نہ دیا کریں۔ تنقید والے بھی شائع کیا کریں۔ دیوالی کی رات اور آئی ہے بارات بہترین کہانیاں تھیں۔ اوچھل خاکے، ضرب المثل کہانی رسالے کی شان بڑھاتے ہیں۔

(محمد حارث سعید، بورے والا)

میں نے ایک کہانی ارسال کی ہے۔ امید ہے شائع کریں گے۔ مجھے کہانیوں کا معیار پسند نہیں ہے۔ چچا تیز گام، کھٹے میاں میٹھے میاں اور ماموں فائی مجھے پسند نہیں ہیں۔ میری کہانی کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟ (قانتہ شفیق، چشمہ کالونی)

دسمبر کا شمارہ پسند آیا۔ دیوالی کی رات پسند آئی۔ میری تجویز ہے کہ میری زندگی کے مقاصد کی جگہ آیئے دوست بنایئے۔ شروع کر دیں۔ کھیل دس منٹ کا ختم کر دیں۔ (محمد افضل انصاری، لاہور)

مجھے تعلیم و تربیت بہت پسند ہے۔ نیلی روشنی کا راز اور ماموں وائی فائی زبردست ہیں۔ انسائیکلوپیڈیا اور سائنس کارنر زبردست رہیں۔ آپ گلیکسی چاند اور سیاروں کی معلومات بھی دیں۔

میرا نام عارفہ شیخ ہے، کوٹری میں رہتی ہوں۔ ستمبر اور دسمبر کے دماغ لڑاؤ میں میرا نام شامل نہیں ہوا۔ ماہ اکتوبر کا شمارہ حیدر آباد میں بالکل نہیں ملا۔ ماہ دسمبر کا شمارہ پہلی دسمبر کو ملا۔ بہت خوشی ہوئی۔ میں نے اس ماہ بہت کچھ لکھا۔ مہربانی فرما کر شائع کریں ورنہ میرا دل ٹوٹ جائے گا۔ (محمد عقیل شرافت، جہلم)

☆ آپ کی تحریر باری آنے پر شائع ہو جائے گی۔

میں تعلیم و تربیت کی باقاعدہ قاری ہوں۔ معلومات عامہ اور مختصر مختصر میرا پسندیدہ سلسلہ ہے۔ چچا تیز گام کیوں بند کر دیا گیا ہے۔ قائداعظم ریذیڈنسی پڑھ کر میرا دل چاہا کہ میں بھی اسے دیکھوں۔

(حذیفہ عارف، لاہور)

میرا نام محمد موحد ہے۔ تیسری جماعت میں پڑھتا ہوں۔ کامرہ میں رہتا ہوں۔ نومبر کا شمارہ اچھا تھا۔ نیلی روشنی کا راز، ماموں وائی فائی اور بے جی پسند آئیں۔

میں دو سال سے تعلیم و تربیت پڑھ رہا ہوں۔ مجھے مبارک دیں۔ میں نے رسالے کے 10 قارئین بنائے ہیں۔ ان میں اسماعیل خان، عاطف، عارف چاند اور عبدالمعید ہیں۔

☆ **آپ کو دو سال تعلیم و تربیت پڑھنے پر مبارک ہو۔ کافی عرصے کے بعد آپ نے خط لکھا ہے۔ کیا بہت مصروف تھے آپ؟**

وقت یکساں نہیں رہتا، ماموں وائی فائی اور پانچ بہادر نظم پسند آئیں۔ دیوالی کی رات پسند نہیں آئی۔ اس کی بجائے پاکستان کے لوک ورثہ یا اسلامی تہوار کے بارے میں لکھتے تو اچھا تھا۔

(عائشہ کریم، ملتان)

نومبر کا شمارہ نمبر ون رہا۔ آپ ہر ماہ ایک یا دو اسلامی مضامین دیا کریں۔ یہ ایک صدقہ جاریہ بھی ہوگا۔ مجھے ابھی تک انعام نہیں ملا۔

(افتخار احمد، پشاور)

علینہ اظہر راول پنڈی اور نمرہ خان کراچی سے عرض ہے کہ قرآن پاک میں قل سے شروع ہونے والی چار سورتیں ہیں۔

دسمبر کے شمارے کے کیا ہی کہنے۔ بہت مزا آیا۔ آپ سے گزارش ہے کہ کھیل اور کھلاڑی کے سلسلے میں پاکستانی ٹیم کے موجودہ کھلاڑیوں کے بارے میں شائع کریں۔ اس کے علاوہ خاص نمبر، سال نامہ اور ڈراؤنا نمبر بھی شائع کریں۔ (کرن فاروق، گوجرانوالہ)

مہ وش سہیل، چک جھمرہ۔ رابعہ سلیم راجپوت، راول پنڈی نے بہت خوب صورت اور مختلف رنگوں سے سجا کر خط بھیجا ہے۔ دل خوش ہوگیا۔ شکریہ

امیر حمزہ وار برٹن سے، نے بہت اچھے الفاظ میں خط تحریر کیا ہے۔ شاباش۔

☆ دیگر خطوط جو موصول ہوئے: محمد وقار پٹھان، روڈہ تھل۔ محمد عرفان اقبال، دنیا پور۔ زینب کامران قریشی، سرگودھا۔ طلحہ فاروق، محمد احمد بن غضنفر، راول پنڈی۔ محمد احمد، چیچہ وطنی۔ ثمرہ طارق بٹ آروپ گوجرانوالہ۔ عائشہ شہباز، بورے والا۔ احمد نسیم، ایبٹ آباد۔ کشف جاوید، فیصل آباد۔ محمد عثمان علی، جھنگ۔ محمد مجیر خان، بھکر۔ شہزاد حیدر شیخ، لاہور۔ محمد اجمل شاہین، چوہنگ۔ محمد اسامہ سعید، عشاء سعید، ٹوبہ ٹیک سنگھ۔ حمزہ شہباز، کرک۔ انیلا مرجان۔ فضیلہ، واہ کینٹ۔ سونیا ذوالفقار خان، مردان۔ حسن رضا سردار، کامونکی۔ ☆☆☆

اڈے کی تباہی

"خدا کا شکر ہے کہ آپ زندہ و سلامت آ گئے ہیں۔" ندیم نے آصف اور عبدالغنی سے کہا۔ "لیکن اب ہمارے پاس زیادہ وقت نہیں ہے۔ تبتیوں کے اڈے کو تباہ کرنے کا منصوبہ میں نے سوچ لیا ہے۔ پہلے میری باتیں اچھی طرح سن لیجیے اور اس کے بعد کوئی سوال کیجیے۔"

"کڑڑ دھرام۔" بجلی چمکی اور بادل گرجا۔ سب شاہین کے اندر جا بیٹھے۔ بارش تیز ہو گئی تھی۔ بجلی بار بار چمک رہی تھی اور بادل بہت گھرے تھے، ہر طرف اندھیرا چھایا ہوا تھا۔

"بلال!" ندیم نے کہا۔ "تم میرے ساتھ آؤ اور جہاز کی ٹینکیوں میں پٹرول بھرو۔"

انھوں نے ٹینکیوں میں پٹرول بھرا اور خالی ڈرم باہر پھینک دیے۔ پھر انھوں نے انجنوں کے ایک ایک پرزے کو چیک کیا۔

ان کاموں سے فارغ ہو کر ندیم نے کہا۔ "اب آپ میرا منصوبہ سنیے۔"

"ارشاد!" چاچی نے مسکرا کر کہا۔

"ابھی تھوڑی دیر پہلے......" ندیم نے کہا۔ "میں اور ضرار کوہ نور سے ہو کر آئے ہیں۔ وہاں صدیوں پرانی اور لاکھوں ٹن وزنی ایک ایسی چٹان ہے جو نیچے سے بہت پتلی ہے مگر اس کا اوپر کا حصہ بہت پھیلا ہوا ہے۔ ذرا سی تیز ہوا سے بھی یہ چٹان ہلنے لگتی ہے۔ اس کے نچلے حصے میں بہت سے سوراخ ہیں شاید ان میں خرگوش یا چوہے رہتے ہیں۔ اگر ہم کسی طرح ان سوراخوں میں بارود بھر دیں اور کچھ آس پاس بکھیر دیں تو مجھے سو فی صد یقین ہے کہ پوری چٹان لڑھک کر ایک ہزار فٹ نیچے جھیل میں جا گرے گی۔ اتنی بلندی سے گرنے کی وجہ سے یہ جھیل کی تہہ یا دوسرے لفظوں میں اڈے کی چھت کو تباہ کر دے گی۔ اس کا پانی مشینوں میں داخل ہو کر انھیں جام کر دے گا۔"

"اچھا! تو یہ بات تھی۔" ضرار نے بات مکمل بھی نہ کی تھی کہ ندیم نے اس کی بات کاٹ کر کہا۔

"سنو، جب یہ چٹان جھیل میں گرے گی تو اس کا پانی سینکڑوں فٹ بلندی تک اچھلے گا اور اس سے آس پاس کے علاقوں میں سیلاب آ جائے گا۔ ہو سکتا ہے پانی یہاں تک بھی پہنچ جائے

جہاں ہم اس وقت ہیں۔ اس لیے ہم جہاز کو اس جگہ سے ہٹا کر کسی اور جگہ لے جائیں گے۔ میں نے وہ جگہ بھی چن لی ہے۔''

''کون سی جگہ؟'' بلال نے پوچھا۔

''کوہِ نور کے قریب ہی ایک چٹان پر چھت بنی ہوئی ہے۔'' ندیم نے کہا۔ ''وہاں ہمارا جہاز بڑی آسانی سے کھڑا ہو سکتا ہے۔ اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ کوہِ نور کا کیا کیا جائے؟ تو اس بارے میں آپ کو یہ سن کر خوشی ہو گی، جونہی لاکھوں ٹن وزنی چٹان اپنی جگہ سے ہلے گی کوہِ نور کی بنیادیں بھی ہل جائیں گی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ کوہِ نور کا اوپر کا حصہ دائیں طرف جھکا ہوا ہے۔ اس چٹان کے گرنے سے آس پاس کی زمین پر بھونچال سا آ جائے گا اور کوہِ نور بھی گر جائے گا۔

میرے سامنے سب سے مشکل مسئلہ یہ تھا کہ جب چٹان کے نیچے بارود رکھ کر ہم اسے اُڑائیں گے تو ہم اپنا بچاؤ کس طرح کریں گے؟ خوش قسمتی سے اس کا حل میرے ذہن میں آ گیا ہے۔ میں اور ضرار پٹرول کو ایک لمبی لکیر کی شکل میں چٹان پر بکھرے ہوئے بارود سے لے کر کافی دُور تک کھینچے چلے جائیں گے۔ پھر ہم دُور ہی سے پٹرول کو آگ دکھائیں گے اور فوراً جہاز کو اڑا لے جائیں گے۔''

سب بڑے دھیان سے ندیم کی باتیں سن رہے تھے۔ بارش تھم چکی تھی مگر بادلوں کی وجہ سے اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ ندیم نے کہا۔ ''کام کرنے کا یہ بہترین وقت ہے کیوں کہ اس وقت تبتی گھروں میں گھسے ہوں گے۔''

''آپ کا منصوبہ تو درست ہے، پر بارود کہاں سے آئے گی؟'' آصف نے کہا۔

''آصف صاحب!'' ندیم نے کہا۔ ''آپ کا خیال ہے کہ بارود لینے کے لیے ہمیں پاکستان جانا پڑے گا؟ ہم بیس پچیس کارتوس الگ رکھ کر باقی سب کارتوسوں کی بارود نکال لیں گے۔''

یہ سنتے ہی سب لوگ کارتوسوں میں سے بارود نکالنے لگے۔ اچانک ضرار کی نظر باہر کی طرف اٹھ گئی، وہ گھبرا کر کہنے لگا: ''اُف میرے اللہ! وہ آ گئے۔ یہ دیکھو، ہزاروں کی تعداد میں ہیں۔''

''نہیں۔'' عبدالغنی نے کہا۔ ''یہ ہماری طرف نہیں آ رہے ہیں۔ یہ کوہِ نور کے آس پاس بکھر جائیں گے اور تین دن اور تین رات تک خوب جشن منائیں گے۔ چوتھے دن یہ پہلا حملہ کریں گے جس سے سو سو میل تک تمام جاندار جل کر کوئلا ہو جائیں گے۔ اس کے بعد یہ نئے سٹیشن قائم کریں گے اور پھر ان جگہوں سے حملے کریں گے۔ اسی طرح یہ ہر چیز کو تباہ و برباد کرتے ہوئے ساری دُنیا پر چھا جائیں گے۔ ان کی تیاری مکمل ہو چکی ہے۔ اسی لیے یہ لوگ جشن منانے جا رہے ہیں۔ ایک بات مجھے آج یاد آتی ہے۔ کوہِ نور اندر سے کھوکھلا ہے۔ اس کے اندر ان لوگوں نے ایک بہت بڑا ہال بنایا ہے۔ اس ہال میں سے ایک سرنگ نیچے کی طرف اڈے میں جا نکلتی ہے۔ یہ لوگ اس سرنگ کے ذریعے ہی آتے جاتے ہیں۔''

ندیم اچھل پڑا اور بولا: ''اس کا مطلب یہ ہوا کہ جب اڈا تباہ ہو گا تو اس میں سے اٹھنے والی بھاپ اور حرارت اس سرنگ کے ذریعہ کوہِ نور کے ہال میں داخل ہو کر وہاں بہت سی چیزیں تباہ کر دے گی۔''

''یقیناً۔'' عبدالغنی نے کہا۔

''اس طرح تو ہمارا کام اور بھی آسان ہو گیا ہے۔ ہمارے پاس اتنی بارود نہیں تھی کہ کوہِ نور کے نیچے بھی ڈال سکتے بلال، اب تم جہاز سٹارٹ کر دو۔ انھیں کوہِ نور تک پہنچنے کے لیے کم از کم ایک گھنٹا لگے گا۔ میں نے کوہِ نور کے قریب ہی ایک چٹان دیکھی ہے۔ اگر تم ہوشیاری سے کام لو تو وہاں جہاز کو آسانی سے اتار سکتے ہو۔''

بلال نے انجن سٹارٹ کیا اور پہاڑیوں اور چٹانوں سے بلند ہو کر بچتا بچاتا کوہِ نور کے قریب چکر کاٹنے لگا۔ ندیم نے ایک جگہ اشارہ کیا اور بلال نے جہاز وہاں اتار لیا۔

''ضرار، تم میرے ساتھ آؤ۔ ہم اس ڈولتی چٹان کے نیچے بارود ڈالیں گے۔'' ندیم نے کہا۔

''پٹرول تو نکالا ہی نہیں۔'' بلال نے کہا۔

''اوہ! افراتفری میں بھول ہی گئے۔ بلال، تم میرے ساتھ آؤ۔'' انھوں نے ٹینکی سے ایک دو گیلن پٹرول نکال لیا۔

''میرے خیال میں......'' عبدالغنی بولے۔ ''انھوں نے ہمیں
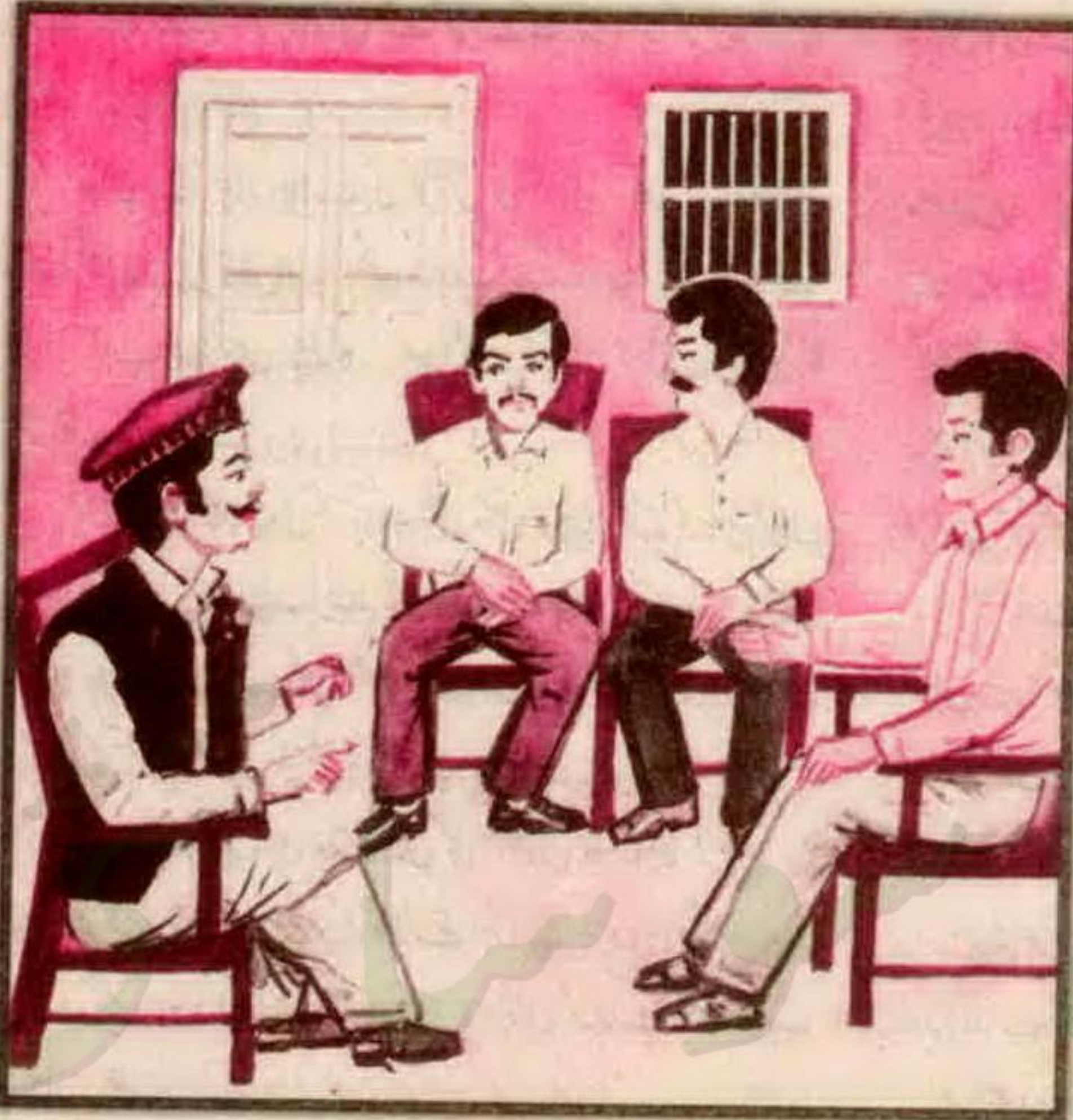
دیکھ لیا ہے۔ دیکھو، وہ پہاڑیوں اور ٹیلوں کو پار کر رہے ہیں۔''

''ہاں۔'' ندیم نے قدرے پریشان ہو کر کہا۔ اچانک بجلی اور بادل گرجا۔ انھیں بیس منٹ ہو گئے تھے، چٹان پر جہاز کھڑا کیے ہوئے۔ ندیم بار بار ''جلدی کرو۔ جلدی کرو۔'' کے الفاظ دہرا رہا تھا۔ بادل گرج رہے تھے۔ اچانک بجلی چمکی اور ندیم نے دیکھا کہ پانچ سات تبتی جہاز پر چڑھنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ ایک تبتی تو کھڑکی کے پاس پہنچ چکا تھا۔ ندیم نے رائفل اٹھائی اور فائر کرنا چاہا مگر اس میں گولی نہ تھی۔ ریوالور اور بندوق بھی خالی تھے۔

تبتی بڑی تیزی سے بھاگتے ہوئے کوہ نور تک پہنچنے کی کوشش کر رہے تھے۔ جہاز کی طرف آنے والا تبتی اب کھڑکی کھول کر جہاز کے اندر کود گیا تھا۔ عبدالغنی، آصف اور چاچی جہاز کے پچھلے حصے میں تھے۔ وہ چپ چاپ بیٹھے رہے۔ ندیم نے رائفل اٹھائی اور اس کا دستہ تبتی کے سر پر مارنے کی کوشش کی مگر وار خالی گیا۔ ندیم نے رائفل پھینک دی اور اب دونوں گتھم گتھا ہو گئے۔ ضرار نے بڑی پھرتی سے اپنی بندوق اٹھائی۔ ایک اور تبتی کھڑکی کھول کر داخل ہونے ہی لگا تھا کہ ضرار کی بندوق کا دستہ اس کے چہرے پر لگا۔ پھر دوسری اور پھر تیسری ضرب اس کے ہاتھوں پر لگی۔ وہ تیورا کر زمین پر جا گرا۔ ادھر ندیم اور وہ تبتی آپس میں گتھم گتھا تھے۔ بلال کو حکم تھا کہ وہ کیبن سے باہر نہ نکلے۔ ضرار بھوکے شیر کی طرح تبتی پر جھپٹا مگر ندیم نے چلاّ کر کہا۔ ''ضرار، تم کھڑکی کا خیال رکھو۔''

دونوں ایک دوسرے کو پچھاڑنے کی کوشش کر رہے تھے۔ آصف آگے بڑھا تو ندیم نے اسے بھی روک دیا۔ ''وہیں رہو، میں اکیلا نپٹوں گا۔'' تبتی نے جاپانی کشتی کا داؤ مارا اور ندیم زمین پر گر پڑا۔ اس کے ساتھ ہی وہ ندیم کی چھاتی پر کودا مگر ندیم نے ایک دم اپنے آپ کو پرے کر لیا۔ تبتی زور کے ساتھ جہاز کی دیوار سے جا ٹکرایا۔ اسی اثنا میں ندیم کھڑا ہو چکا تھا۔ اس نے بجلی کی سی تیزی سے تبتی کا ہاتھ پکڑ کر جھٹکا دیا اور وہ درد سے چیخنے لگا۔ ساتھ ہی ندیم نے اپنا دایاں پاؤں اس کے بائیں پاؤں پر مارا تو وہ تیورا کر گرا۔ ندیم اس کی چھاتی پر بیٹھ گیا اور دونوں ہاتھوں سے اس کا گلا دبانے لگا۔ دو ہی منٹ میں وہ ٹھنڈا ہو چکا تھا۔

اچانک کھڑکی سے دو تبتی اندر کودنے لگے۔

''ضرار، تم پیچھے ہٹ جاؤ۔'' ندیم چلایا۔

''ضرار ایک دم پیچھے ہٹ گیا۔ ندیم نے کمال پھرتی سے مردہ تبتی کو ہاتھوں پر اٹھایا اور کھڑکی میں کھڑے دونوں آدمیوں پر دے مارا۔ وہ دونوں منہ کے بل زمین پر گرے۔

ندیم نے گہرا سانس بھرا اور پیشانی سے پسینہ پونچھا۔ اب کوئی تبتی جہاز پر چڑھنے کی کوشش نہیں کر رہا تھا۔ اچانک جہاز زور زور سے ہچکولے کھانے لگا۔ بیسیوں تبتی اس کو دھکیل کر چھت کے آخری سرے تک لے جانے کی کوشش کر رہے تھے۔ ادھر تبتیوں کا ہجوم پچاس ساٹھ گز ہی دُور تھا۔

''بلال، انجن سٹارٹ کر دو۔ اگر یہ لوگ چٹان کے سرے تک

اسے لے گئے تو ہم ہزاروں فٹ گہرے کھڈ میں جا گریں گے۔'' ندیم نے چلا کر کہا۔

بلال نے جہاز چلانے کی کوشش کی مگر گھر گھر گھر کی آوازیں آنے لگیں۔ اس نے بار بار انجن سٹارٹ کیا مگر وہ جام ہو چکے تھے۔

''اب جہاز نہیں چلے گا۔'' عبدالغنی نے کہا۔ ''دافع برق پانی کا اثر ختم ہو چکا ہے۔''

اتنے میں پھر بادل گرجا اور بجلی چمکی۔ جہاز کے گرد ہزاروں آدمی جمع ہو چکے تھے۔ جہاز آہستہ آہستہ چٹان کے سرے تک دھکیلا جا رہا تھا۔ اب چٹان مشکل سے بیس فٹ دُور تھی۔ بلال نے بریک لگانے کی کوشش کی مگر وہ بھی جام ہو چکے تھے۔

اب ان کو ایک ہی وقت میں کئی مشکلوں کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا۔ چند فٹ پرے موت کے کھڈ تھے اور نیچے ہزاروں دشمن، جہاز سٹارٹ نہیں ہو رہا تھا اور ہتھیار بھی کام نہیں کر رہے تھے۔ سب پریشان تھے۔

''لیٹ جاؤ! کمبل یا کپڑا اوڑھ لیجیے۔'' اچانک آصف چلایا۔

''کیا بات ہے؟'' ندیم نے زمین پر لیٹتے ہوئے کہا۔

''خونی مکھی...... یہ رہی، وہ گئی۔'' آصف بولا۔

خونی مکھی کا نام سن کر سب کے چہرے پیلے پڑ گئے۔ دراصل جہاز کے ہلنے جلنے سے مرتبان میں سے ایک خونی مکھی باہر نکل گئی تھی۔

عبدالغنی، چاچی اور آصف نے اپنے اوپر خیمے کا کپڑا ڈال لیا تھا۔ بلال کیبن میں تھا۔ اسے کہہ دیا تھا کہ وہ باہر نکلنے کی کوشش نہ کرے۔ جہاز میں ایک خونی مکھی چکر کاٹ رہی ہے۔ ندیم اور ضرار نے کمبل اوڑھ لیے تھے۔ اچانک ندیم کو ماچس جلانے کا خیال آیا لیکن دوسرے ہی لمحے وہ یہ سوچ کر لرز گیا کہ جہاز میں پٹرول اور بارود پڑا ہے۔ مکھی کے ساتھ وہ بھی بھک سے اُڑ جائیں گے۔ مکھی چکر کاٹتی رہی۔ سب دم سادھے لیٹے رہے۔

''کچھ کرنا ہو گا۔ ورنہ جہاز چٹان سے نیچے گرا تو ہڈی پسلی ایک ہو جائے گی۔'' ندیم نے سوچا اور پھر جیب سے ماچس نکال لی۔ پھر اچھی طرح کمبل لپیٹ کر اس نے کھڑکی کا دروازہ کھول دیا۔

مکھی اس کے قریب پہنچ گئی۔ ندیم نے تیلی اپنے چہرے کے قریب کی اور پھونک مارنے کے لیے منہ میں ہوا بھر لی۔ ''شرر۔'' ادھر ماچس کی تیلی سے شعلہ نکلا اور ادھر ندیم نے طوفان کی سی تیزی سے پھونک مار کر اسے بجھا دیا۔ خونی مکھی بجلی کی سی تیزی سے کھڑکی سے باہر نکل گئی۔ ندیم نے فوراً کھڑکی بند کر لی اور کمبل ذرا سرکا کر آصف کی طرف بڑھا۔ اس کے ذہن میں ایک عجیب ترکیب آئی تھی۔

''آصف، خیمے سے منہ نکالو۔ مکھی باہر جا چکی ہے۔ مرتبان کہاں ہے؟ جلدی سے دو۔ ہم تباہی کے کنارے پر پہنچ چکے ہیں۔''

آصف نے مرتبان ندیم کو دیتے ہوئے سہم کر کہا۔ ''کیپٹن کیا کرنے لگے ہو؟''

ندیم مرتبان لے کر کھڑکی کے پاس گیا۔ کھڑکی کھلی تھی، جہاز کو زور زور سے جھٹکے لگ رہے تھے۔

''میں مرتبان کھولنے لگا ہوں۔ اپنے جسم پر اچھی طرح کپڑے لپیٹ لو۔'' ندیم نے چلا کر کہا اور پھرتی سے کمبل اوڑھ کر مرتبان کو کھڑکی میں سے ایک پتھر پر دے مارا۔ چھن کی آواز سے مرتبان ٹوٹ گیا۔ ندیم نے فوراً کھڑکی بند کر لی۔

مرتبان ٹوٹتے ہی ہزاروں مکھیاں اِدھر اُدھر پھیل گئیں۔ اوپر بادل کی گرج تھی اور نیچے مکھیاں تباہی مچا رہی تھیں۔ اب جہاز کو جھٹکے نہیں لگ رہے تھے۔ جھٹکے لگانے والے ہی ختم ہو چکے تھے۔ چیخ و پکار اور بھاگ دوڑ کی آوازیں جہاز کے اندر آ رہی تھیں۔

ہزاروں آدمیوں کی لاشیں اِدھر اُدھر بکھر گئی تھیں۔ کچھ واپس بھاگ رہے تھے۔ دو منٹ کے بعد ہر طرف قبرستان کی سی خاموشی تھی۔

''غنی لالہ! دافع برق پانی کے بارے میں سوچیے، ورنہ پاکستان پہنچنا ناممکن ہے۔'' ندیم بولا۔

کچھ دیر سوچنے کے بعد عبدالغنی نے کہا۔ ''مجھے پتا نہیں وہ کہاں ملے گا۔ سامنے کوہ نور ہے، اس کے ہال میں تلاش کرتے ہیں۔''

ندیم مان گیا۔ دونوں نے کمبل لپیٹے اور جہاز سے باہر نکل آئے۔ اب وہ کوہ نور میں داخل ہو چکے تھے۔ راستے میں ہر طرف

لاشیں بکھری ہوئی تھیں۔ کوہِ نور کے اندر بھی لاشیں پڑی ہوئی تھیں۔ دونوں سیڑھیاں اترتے ہوئے ہال میں پہنچے، وہاں ہزاروں ڈرم اور مختلف قسم کی مشینیں تھیں۔ عبدالغنی ڈرموں پر لکھی ہوئی تحریریں پڑھتے ہوئے آگے بڑھ رہے تھے۔ کوہِ نور کے اندر کافی روشنی تھی۔ عبدالغنی نے ایک ڈرم کی طرف انگلی سے اشارہ کیا۔ ''اس میں دافع برق پانی ہے۔''

ندیم نے ڈرم اٹھا کر دیکھا، کافی وزنی تھا۔ دونوں اسے گھسیٹتے ہوئے سیڑھیاں چڑھنے لگے۔ اب وہ باہر آ چکے تھے۔ ندیم نے جھیل کی طرف دیکھا تو ہزاروں تتی مشعلیں لیے کوہِ نور کی طرف آ رہے تھے۔ ندیم نے زور لگا کر ڈرم کو اٹھا لیا اور جہاز کی طرف بھاگنے لگا۔ اب وہ جہاز کے نیچے کھڑا تھا۔ بلال اور ضرار نے ڈرم اوپر کھینچ لیا۔

''تم اور بلال دونوں انجن پر پانی ملو۔ مجھے بارود دے دو۔ غنی لالہ آپ سب اوپر بیٹھیں۔ فالتو چیزیں باہر پھینک دیں۔'' ندیم بولا۔

ضرار اور بلال جہاز کے انجنوں پر پانی ملنے لگے۔ چاچی، آصف اور عبدالغنی نے خیمہ اور فالتو چیزیں باہر پھینک دی تھیں۔ ندیم بارود کو ڈولتی چٹان کے سوراخوں میں بھر رہا تھا۔ اب تتی پچاس قدم کے فاصلے پر تھے۔ ندیم نے پٹرول کا ڈبا پکڑا اور بارود پر چھڑکنے کے بعد باقی پٹرول اِدھر اُدھر بکھیر دیا۔ اب تتی بیس قدم دُور تھے۔ وہ چلاتے آ رہے تھے۔ ساری وادی ان سے بھری ہوئی تھی۔

ندیم بڑی پھرتی سے کام کر رہا تھا۔ اس کے بال بکھر کر پیشانی پر آ گئے تھے اور جسم پسینے میں شرابور ہو رہا تھا۔ ندیم تھکن محسوس کر رہا تھا۔ وہ بھاگ کر جہاز کے پاس آیا۔ ضرار اور آصف نے کھڑکی میں سے اس کے ہاتھ پکڑے اور سہارا دے کر جہاز کے اندر لے گئے۔

شاہین میں داخل ہوتے ہی ندیم نے پہلا سوال کیا۔ ''کیا انجنوں پر پانی مل دیا گیا ہے؟''

''ہاں کیپٹن۔'' ضرار نے کہا۔

''بس سٹارٹ کر دو۔'' ندیم نے حکم دیا۔

جہاز چٹان کے کنارے سے صرف دو فٹ پرے کھڑا تھا۔ ایک منٹ کی دیر اور ہوتی تو تتی اسے نیچے کھڈ میں گرا چکے ہوتے۔

سب نے خدا کا شکر ادا کیا۔

ادھر جلتی ہوئی مشعلیں لیے تتی اب ڈولتی چٹان سے صرف پندرہ بیس فٹ دُور تھے۔

بلال نے انجن سٹارٹ کر دیے اور بڑی پھرتی سے جہاز کو چند گز پیچھے لے گیا۔ پھر اس نے انجن تیز کر کے جہاز آگے کی طرف دوڑا دیا۔

جہاز چٹان کی سطح سے بلند ہو گیا۔ اسی لمحے تتی ڈولتی چٹان کے قریب پہنچ گئے تھے۔ پٹرول نے آگ پکڑ لی اور بارود کو آگ لگتے ہی ایک دھماکہ ہوا۔ زبردست دھماکے سے چٹان ٹوٹ کر جھیل کی جانب لڑھکنے لگی۔ سینکڑوں تتی اس کے نیچے پس کر رہ گئے۔ جہاز فضا میں بلند ہو رہا تھا۔

''بلال!'' ندیم نے کہا۔ ''جہاز کو کوہِ نور سے زیادہ سے زیادہ دُور لے جاؤ۔''

بلال نے شاہین کا رخ اوپر کی طرف موڑ دیا اور رفتار تیز کر دی۔ اب ان سے تقریباً پندرہ سو فٹ نیچے جھیل تھی۔ ندیم نے مکھیوں کا دوسرا ڈبا لیا اور کھڑکی کھول کر تتیوں پر پھینک دیا۔

اچانک ایک زور دار دھماکہ ہوا۔ چٹان جھیل میں گر کر اس کی تہہ توڑ چکی تھی۔ پانی اڈے میں داخل ہو کر مشینوں کو تباہ کر رہا تھا۔ کئی مشینوں کے پرزے ہوا میں اُڑ رہے تھے۔

''تم نے ایسا نظارہ زندگی میں کبھی نہ دیکھا ہو گا۔'' ندیم نے بلال سے کہا۔

''ہاں کیپٹن۔'' بلال نے کہا۔

تھوڑی دیر تک فضا میں چکر لگانے کے بعد وہ سامنے کی طرف جانے لگے۔ یکا یک ایک اور زبردست دھماکا ہوا اور کوہِ نور نیچے بیٹھ گیا۔

''آپ نے بھی ایسا نظارہ کبھی نہیں دیکھا ہو گا۔'' بلال نے کہا۔

''ہاں بلال۔'' ندیم نے مسکرا کر کہا اور بلال کے پاس آ بیٹھا۔

''ہم کہاں جا رہے ہیں؟''

''معلوم نہیں۔'' بلال نے کہا۔

''ہمارے پاس اتنا پٹرول نہیں کہ یونہی اِدھر اُدھر گھومتے

رہیں۔'' ندیم نے کہا۔

یہ کہہ کر اس نے جیب سے قطب نما نکالا مگر اس کی سوئیاں کام نہیں کر رہی تھیں۔ اس نے اسے جھٹکے دیے مگر سوئیاں ویسی کی ویسی جام رہیں۔ ندیم نے بلال سے کہا کہ شاہین کو کسی کھلی جگہ پر اتارو۔ جب تک قطب نما ٹھیک نہیں ہوگا، آگے جانا خطرناک ہے۔

بلال نے ایک میدان میں جہاز اتار لیا۔ سب لوگ جہاز سے نکل کر کھلی فضا میں ٹہلنے لگے۔ ندیم قطب نما ہاتھ میں لیے باہر نکل آیا تھا۔ وہ جہاز سے جتنا دُور ہوتا گیا، قطب نما اتنا ہی اچھا کام کرنے لگا۔

''میری سمجھ میں بات آ گئی ہے۔'' ندیم نے بلال سے کہا۔ ''دراصل ہمارے جہاز میں ریڈیم موجود ہے۔ اس کی وجہ سے قطب نما کی سوئیاں کام نہیں کر رہیں۔''

''اب کیا کیا جائے؟'' چاچی نے پوچھا۔

تھوڑی دیر تک سب سوچتے رہے۔ آخر ندیم کو ایک تجویز سوجھی۔ ''میرے ذہن میں ایک ترکیب آئی ہے۔ اگر ہم ریشمی رسّی سے ریڈیم کی سلاخ کو باندھ کر اس کو جہاز کی دم سے لٹکا دیں تو اس طرح ہم ریڈیم بھی لے جا سکیں گے اور قطب نما بھی کام کرنے لگے گا۔''

ندیم کی تجویز مان لی گئی۔ ریڈیم کو رسّی سے اچھی طرح باندھ کر جہاز کی دم میں لٹکا دیا گیا اور پھر چند گھنٹے بعد وہ چٹا گانگ کے ہوائی اڈے پر کھڑے تھے۔

ہوائی اڈے کا منیجر ناراض ہو رہا تھا۔ اس نے کہا کہ آپ اتنے دن بغیر اطلاع کے کہاں چلے گئے تھے۔ ندیم نے کہا کہ قطب نما راستے میں خراب ہو گیا تھا۔ اس لیے ہمیں ایک وادی میں قیام کرنا پڑا۔ منیجر نے کہا کہ ہم نے آپ لوگوں کی تلاش میں چھ جہاز دو دن پہلے روانہ کیے تھے۔ انھوں نے آپ کو ہر جگہ ڈھونڈا مگر آپ کہیں نہیں ملے۔ خدا کا شکر ہے کہ اب آپ زندہ سلامت آ گئے۔

وطن میں

سب لوگ ندیم کے بنگلے میں بیٹھے چائے پی رہے تھے۔ ''غنی لالہ! خوچے امارا خواہش ہے کہ اب آپ امارا شہر راول پنڈی میں امارا ساتھ ہی رہے۔ آپ لوگ کا کیا خیال ہے؟'' ندیم نے پٹھانوں کے لہجے میں بات کرتے ہوئے کہا۔

''امارا کوئی بال باچہ نا ہیں ہے۔ ہم تمھارا ساتھ رہنے کو تیار ہے۔'' عبدالغنی نے بھی اسی طرح جواب دیا۔ سب کھل کھلا کر ہنس پڑے۔

دوسرے دن وہ پشاور گئے۔ تین چار روز وہاں قیام کیا۔ عبدالغنی کے بہت سے رشتہ دار مر چکے تھے۔ ان کا مکان آدھا گر چکا تھا۔ کچھ دوست ملے جو اب بہت بوڑھے ہو چکے تھے۔ عبدالغنی کا وہاں دل نہ لگا۔ جلد ہی وہ راول پنڈی چلے آئے اور ندیم کے ہاں ہی رہنے لگے۔ ایک دن سب لوگ ''جنت نگاہ'' کے باغیچے میں بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔

''بھئی آصف صاحب!'' ندیم نے کہا۔ ''اس ریڈیم کا کیا بنا؟''

''کیپٹن!'' آصف نے کہا۔ ''وہ میں نے ٹیسٹ کرانے کے لیے ایک لیبارٹری میں بھیجا تھا۔ آج رپورٹ ملی ہے کہ اس میں صرف چھ سات تولے ہی ریڈیم ہے، باقی مٹی اور پتھر ہے۔'' یہ سن کر سب کے چہرے لٹک گئے۔

''صرف چھ سات تولے؟'' ندیم نے کہا۔

''جی ہاں!'' آصف نے کہا۔ ''لیکن آپ کو معلوم ہے اس کی کتنی قیمت ہے؟ کم از کم پچیس تیس لاکھ روپے۔''

''اگر مجھے پتا ہوتا تو میں ایسی کئی سلاخیں وہاں سے لے کر آتا۔'' ندیم نے کہا۔ ''خیر اب آپ اس ریڈیم کا کیا کریں گے؟''

آصف نے جواب دیا۔ ''میں اسے ملک کے تمام اسپتالوں میں بانٹ دوں گا۔ یہ ہماری ایک بہت بڑی قومی خدمت ہوگی۔''

''لالہ غنی کے واسطے ایک بنگلا خریدنے کے لیے میں نے ایجنٹ سے کہہ دیا ہے۔ کیپٹن، آپ سب حضرات شاہین کے مالک ہیں۔ آج سے یہ آپ سب کا ہے۔''

''کیوں ضرار؟'' ندیم نے پوچھا۔

''ہمیں اور کچھ نہیں چاہیے۔'' ضرار نے جواب دیا۔

''بلال تمھارا کیا خیال ہے؟'' ندیم نے پوچھا۔

''میں آپ کے ساتھ ہوں۔'' بلال بولا۔ ☆☆☆

مفرخ کو پرندے پالنے کا بہت شوق تھا، خاص کر وہ پرندے جو انسانوں کی طرح باتیں کر سکتے ہیں۔ اس نے سن رکھا تھا کہ توتا اور مینا ایسے پرندے ہیں جو بالکل انسانوں کی طرح باتیں کرتے ہیں۔ چناں چہ اس نے ابو سے بھی کہہ دیا کہ ان دونوں میں سے کوئی ایک پرندہ اس کے لیے ضرور لے آئیں۔ مفرخ اپنے والدین کا لاڈلا ہونے کے ساتھ بہت محنتی اور فرماں بردار بھی تھا، لہٰذا اس کی ہر جائز خواہش پوری کی جاتی لیکن جب اگلے دو ہفتوں تک ابو اس کے لیے کچھ نہیں لائے تو وہ کافی اداس ہو گیا۔ وہ جانتا تھا کہ ابو زیادہ تر مصروف رہتے ہیں، جیسے ہی انہیں وقت ملے گا وہ ضرور لے آئیں گے اس لیے خاموش ہی رہا۔ ایک دن وہ امی کے ساتھ بازار گیا تو وہاں بہت سارے پرندے دیکھے جن میں زیادہ تعداد آسٹریلوی توتوں کی تھی۔ اس نے دکان دار سے کہا کہ مجھے باتیں کرنے والا توتا چاہیے۔ دکان دار نے کہا کہ میرے پاس باتیں کرنے والا توتا تو نہیں مگر ایسے توتے کا بچہ ضرور ہے جسے تم جو سکھاؤ گے وہ وہی سیکھے گا۔ یہ سن کر مفرخ بہت خوش ہوا اور اسے خرید کے گھر لے آیا۔

اب مفرخ بہت خوش تھا۔ وہ اپنے توتے کا ہر طرح سے خیال رکھتا۔ اسکول سے واپس آ کر سب سے پہلے توتے کے پاس جاتا۔ اس سے باتیں کرتا، اپنے سارے دن کی کہانی سناتا کہ اس نے آج کیا کیا پڑھا، اسکول میں دوستوں کے ساتھ کون کون سے کھیل کھیلے، بریک میں کیا کیا کھایا حتیٰ کہ اپنا سبق یاد کر کے وہ بھی اپنے توتے کے سامنے دُہراتا۔ ساتھ ہی ہر روز امی سے سوال کرتا کہ امی! آخر یہ باتیں کب کرے گا؟ امی نے بتایا کہ بیٹا! یہ اتنی جلدی باتیں نہیں سیکھ سکتا۔ اسے کم از کم دو سال لگیں گے یا اس سے بھی زیادہ عرصہ۔ یہ سن کر وہ اداس ہو جاتا مگر یہ اداسی وقتی ہوتی کیوں کہ وہ جانتا تھا کہ اس کی محنت کبھی رائیگاں نہیں جائے گی۔ تاہم، اسے اس دن کا شدت سے انتظار تھا جب اس کا توتا باتیں کرنے لگے گا۔

اس نے اپنے توتے کا نام باقی توتوں کی طرح مٹھو ہی رکھا۔ ایک دن وہ اسکول سے واپس آیا تو اسے گھر میں سیٹی کی آواز آئی۔ اس نے حیرانی سے اِدھر اُدھر دیکھا تو امی ہنس کے بولیں کہ یہ سیٹی تمہارا مٹھو بجا رہا ہے۔ تب اس کی خوشی کی انتہا نہ رہی۔ اسی طرح

آہستہ آہستہ وہ باتیں بھی کرنے لگا۔ جس دن مٹھو کوئی نئی بات کرتا، مفرخ خوشی خوشی رات کو ابو کو بھی بتاتا۔

وقت پر لگا کے اُڑتا چلا گیا اور دو سال کا عرصہ کیسے بیت گیا، پتا ہی نہیں چلا۔ اب مٹھو بالکل صحیح صحیح باتیں کرنے لگا تھا۔ مفرخ بھی اب کالج میں پہنچ چکا تھا۔ اس کی زندگی میں کافی کچھ بدل گیا تھا۔ بس نہیں بدلی تھی تو مٹھو کی محبت اور اپنے والدین کا احترام۔

"دوست! نیا سال شروع ہونے والا ہے۔ تم نے کچھ سوچا ہے کہ اس بار نیا سال کیسے منائیں گے؟ ہماری کلاس کے لڑکے تو کس کس طرح نیا سال مناتے ہیں۔ کوئی ون ویلنگ کرتا ہے، کوئی ساحلِ سمندر پر جاتا ہے۔ کوئی پارٹی کرتا ہے، کوئی دوستوں کے ساتھ کسی پارک میں جاتا ہے اور ایک ہم ہیں جنھیں کوئی گھر سے ہی نہیں نکلنے دیتا۔" مفرخ کا دوست بغیر رکے مسلسل بولے جا رہا تھا۔

"ہاں واقعی! ہماری بھی کیا زندگی ہے؟" مفرخ اس کے چپ ہوتے ہی بولا اور اداس ہوگیا۔

"اس بار ہم اپنے گھر والوں سے بات کریں گے۔ ویسے بھی اب ہم بڑے ہو گئے ہیں اور ہمیں اتنا تو حق ہے کہ ہم کم از کم نیا سال تو اپنی مرضی سے منائیں۔" یسال بولا۔

"ہاں دوست! اس بار تو بات کرنی ہی پڑے گی اپنے اپنے گھر والوں سے۔" اور دونوں اپنے اپنے گھر روانہ ہو گئے۔ مفرخ نے گھر آتے ہی امی سے کہا۔ "امی! آپ پاپا سے اجازت لے کر دیں، اس بار ہم نیا سال منانا چاہتے ہیں۔ امی بولیں۔ "ہاں بیٹا! مناؤ نیا سال، کس نے منع کیا ہے۔ نئے سال پہ گھر میں قرآن خوانی کروائیں گے اور دعا مانگیں گے کہ ملک میں امن و امان ہو۔ اللہ پاک ہم سب کے لیے خاص طور پر ہمارے ملک کے لیے اس سال کو مبارک کرے۔ ملک میں امن ہوگا تو ہر گھر خوش حال ہوگا اور سب کا سارا سال اچھا گزرے گا۔" مفرخ بولا۔ "امی! یہ سب تو آپ کریں گی۔ مجھے تو اپنے دوستوں کے ساتھ اپنی مرضی سے نیا سال انجوائے کرنا ہے۔"

امی بولیں۔ "نہیں بیٹا! مَیں تمھیں اس بات کی اجازت لے کر ہرگز نہیں دے سکتی۔ دیکھو ہمیں ایسا کچھ نہیں کرنا چاہیے جو بعد میں ہمارے یا کسی اور کے لیے تکلیف کا باعث بنے۔" "لیکن امی! ہم ایسا تو کچھ نہیں کریں گے۔" امی نے کہا۔ "بیٹا! آج کل حالات بہت خراب ہیں۔ میں تمھیں نہ خود رات کو باہر جانے کی اجازت دوں گی نہ تمھارے پاپا سے بات کروں گی۔" مفرخ امی کی بات سن کر مزید کچھ نہ بول سکا اور اپنے کمرے میں چلا گیا۔

جوں جوں نیا سال قریب آرہا تھا، مفرخ کی اداسی بڑھتی جا رہی تھی۔ وہ نہ کسی سے بات کرتا، نہ ٹھیک سے کھانا کھاتا۔ پڑھائی پر بھی خاص توجہ نہ دیتا۔ یہ دیکھ کر اس کی امی کافی پریشان ہوگئیں۔ وہ اپنے بیٹے کی خوشی کے لیے کچھ بھی کر سکتی تھیں مگر ایسے حالات میں جہاں ہر روز ٹارگٹ کلنگ، بھتہ خوری اور بم دھماکے کئی گھروں کو سوگوار کر دیتے ہیں، اپنے جگر کے ٹکڑے کو رات بھر کے لیے باہر کیسے بھیجتیں؟ وہ بھی نئے سال کی رات کو جب ہر طرف افراتفری ہوتی ہے۔

ایک صبح جب مفرخ اٹھ کے مٹھو کے پاس گیا تو مٹھو نے اس سے کہا کہ مجھے تم نے قید کر کے رکھا ہوا ہے۔ مَیں تنگ آ گیا ہوں، مجھے آزاد کرو اور نہیں تو کم از کم مجھے ایک دن کے لیے ہی آزاد کردو۔ مٹھو کی بات سن کر مفرخ کو بہت دکھ ہوا۔ وہ بولا۔ "میرے پیارے مٹھو! مَیں تمھارا کتنا خیال رکھتا ہوں۔ تم سے کتنا پیار کرتا ہوں پھر بھی تم ایسی باتیں کر رہے ہو؟" مٹھو بولا۔ "ایسے پیار کا کیا فائدہ.... جب مَیں اپنی مرضی سے کچھ بھی نہیں کر سکتا۔ نہ کہیں جا سکتا ہوں نہ اُڑ سکتا ہوں۔"

مفرخ بولا۔ "مگر مٹھو! یہ سب تمھاری ہی بھلائی کے لیے ہے۔ اگر میں تمھیں آزاد چھوڑ دوں تو تمھیں بلی، کوا، چیل یا کوئی بھی بڑا پرندہ نقصان پہنچا سکتا ہے اور تمھاری جان بھی جا سکتی ہے۔ ویسے بھی مَیں تمھیں قید کر کے تو رکھتا نہیں ہوں، بس اتنا کرتا ہوں کہ تمھیں گھر سے باہر نہیں جانے دیتا۔"

مٹھو بولا۔ "مجھے ایسی کسی بات سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ بس مجھے آزادی چاہیے۔ ٹھیک والی آزادی۔ تم کیا سمجھتے ہو کہ قید صرف پنجرے میں ہوتی ہے؟ نہیں.... قید تو یہ بھی ہے ایک گھر کے اندر۔ مَیں نے کبھی کھلی فضا میں اُڑان نہیں بھری۔ مَیں کھلی فضاؤں میں
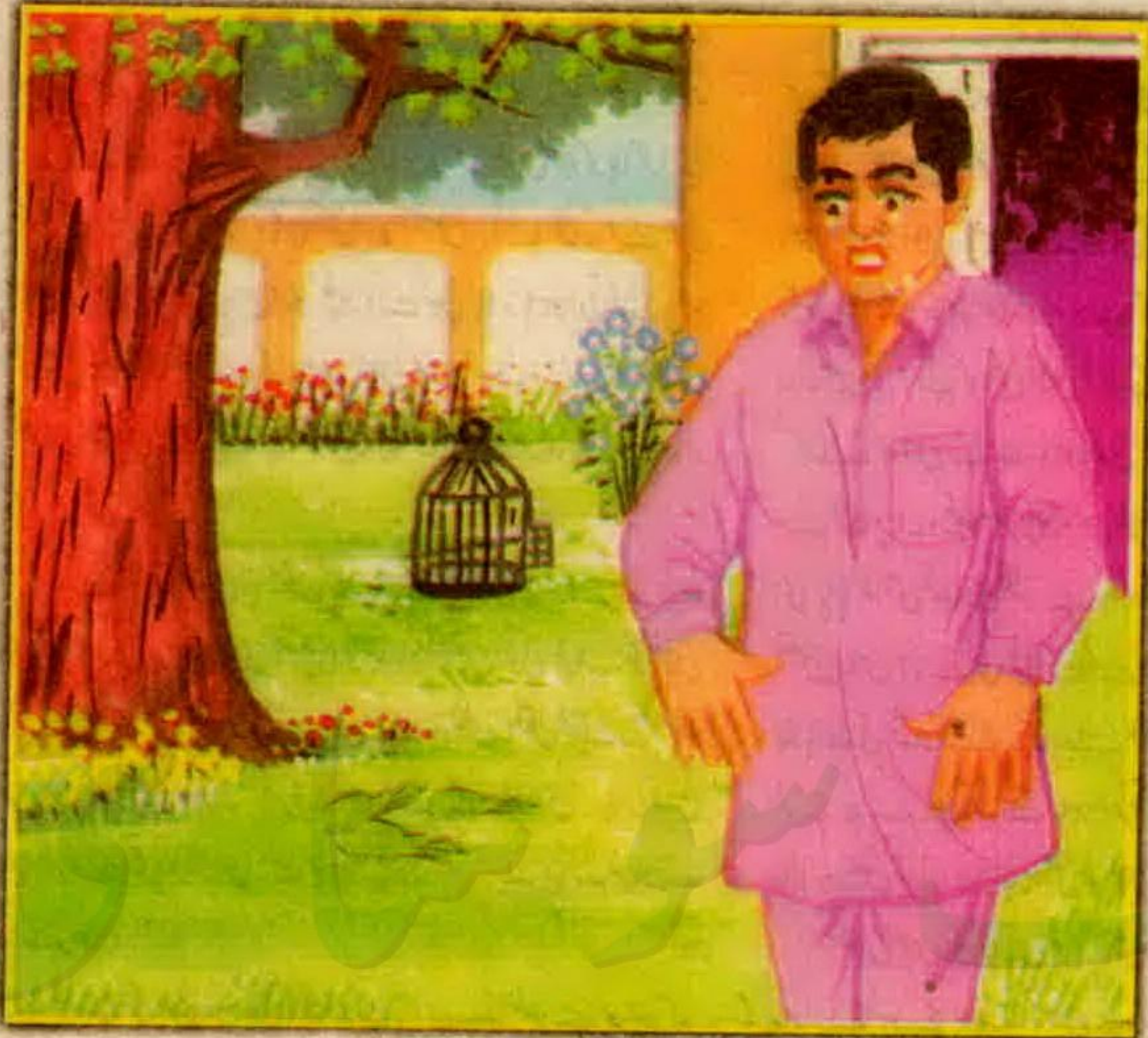
اُڑنا چاہتا ہوں۔ آسمانوں کو چھونا چاہتا ہوں، ٹھیک طرح سے زندگی کا لطف اٹھانا چاہتا ہوں مگر تم نے میری زندگی ایک چاردیواری کے اندر محدود کر کے رکھ دی ہے۔"

مٹھو کی باتیں سن کر مفرخ اور بھی زیادہ اداس ہوگیا۔ وہ اپنے کمرے میں گیا اور خوب جی بھر کے رویا۔

اگلے دن وہ صبح اٹھا اور بنا کسی سے بات کیے سیدھا اسکول چلا گیا۔ وہاں اس کے دوست یسال نے مشورہ دیا کہ ہم گھر والوں کو بتائے بغیر ہی پارٹی کریں گے۔ رات کو جب سو جائیں گے تو ہم گھر سے خاموشی سے نکل جائیں گے۔ مفرخ نے پہلے تو کہا کہ یہ ٹھیک نہیں ہے مگر پھر مان گیا۔

واپس گھر آیا تو مٹھو کو گھر میں نہ پا کر امی سے مٹھو کا پوچھا۔ امی نے بتایا کہ وہ تو میں نے صبح سے نہیں دیکھا۔ میں سمجھی کہ تم اپنے ساتھ کالج لے گئے ہو کیوں کہ تم اسے اکثر ساتھ لے جاتے ہو۔ یہ سن کر مفرخ بہت پریشان ہوگیا اور مٹھو کو ڈھونڈنے لگا مگر اس کا کہیں پتا نہ تھا۔ شام ہونے والی تھی۔ مفرخ کا غم سے بُرا حال تھا۔ وہ امی سے بار بار کہہ رہا تھا۔ "امی! پتا نہیں میرا مٹھو کہاں ہوگا، کیسا ہوگا؟ اس نے کچھ کھایا پیا بھی ہوگا یا نہیں؟" امی خود بھی بہت پریشان تھیں کیوں کہ مٹھو اس طرح کبھی بغیر بتائے کہیں نہیں گیا تھا، مگر وہ مفرخ کو حوصلہ دے رہی تھیں۔ "بیٹا! تم فکر مت کرو، وہ واپس آجائے گا اور بالکل ٹھیک ہوگا۔"

مفرخ اداسی کے عالم میں ٹہلتا ہوا گھر کے پچھلی طرف باغیچے میں گیا۔ وہ جب بھی اداس ہوتا تھا، وہیں جاتا تھا۔ وہاں جاتے ہی اس کے اوسان خطا ہوگئے۔ وہ تقریباً گرتے گرتے بچا تھا کیوں کہ اس کے سامنے مٹھو کے پر پڑے تھے۔ وہاں سے وہ بوجھل قدموں سے آنکھوں میں آنسو لیے دکھی دل کے ساتھ گھر آیا اور امی کو دیکھتے ہی دھاڑیں مار مار کے رونے لگا۔ ساتھ ہی مٹھو کے پر دکھا کے بولا "امی! میرے مٹھو کو بلی یا چیل کھا گئی ہے۔ میں نے اسے کتنا سمجھایا تھا مگر اس نے میری ایک بات بھی نہ سنی۔ امی اسے چپ کروانے کی ناکام کوشش کرتی رہیں۔ پاپا گھر آئے تو وہ بھی مٹھو کے لیے کافی اداس ہو گئے۔ وہ مفرخ کو سمجھانے لگے کہ بیٹا! تم لڑکا ہو کے اتنا زیادہ رو رہے ہو۔ مانا کہ مٹھو کے کھو جانے کا غم بہت زیادہ ہے مگر اس طرح ہمت نہیں ہارنی چاہیے۔ ہوسکتا ہے کہ مٹھو کو کچھ نہ ہوا ہو۔ وہ بلی یا چیل سے بھاگ کے کہیں چھپ گیا ہو۔

"نہیں پاپا! ایسا نہیں ہوا ہوگا کیوں کہ میں اسے ہر جگہ تلاش کر چکا ہوں۔" مفرخ پھر روتے ہوئے بولا۔

ابھی وہ سب یہ باتیں کر ہی رہے تھے کہ دروازے پر دستک

ہوئی۔ مفرخ نے جا کر گیٹ کھولا تو پڑوس کے ہاشم انکل تھے۔ انہوں نے کہا۔ ''بیٹا! ذرا اپنے ابو کو باہر بلاؤ۔ مفرخ ابو کو بلا کر اپنے کمرے میں چلا گیا۔ وہاں بھی وہ مسلسل رو رہا تھا۔ اسے اپنی سسکیوں کی آواز میں ایسا لگا جیسے اسے کوئی بلا رہا ہو اور کہہ رہا ہو کہ بس کرو، خود کو رو رو کر مزید ہلکان مت کرو۔ اس نے آنکھیں کھولیں تو اس کے تکیے پہ مٹھو بیٹھا پتا نہیں کب سے اس سے کچھ کہہ رہا تھا۔

اسے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آ رہا تھا۔ اس نے زور زور سے امی کو آوازیں دیں۔ امی آئیں تو بولا۔ ''میں کوئی خواب تو نہیں دیکھ رہا ناں؟ میرا مٹھو میرے پاس ہے، وہ بھی بالکل ٹھیک۔'' مٹھو شرارتی انداز میں بولا۔ ''صرف اس بات کے لیے امی کو بلانے کی کیا ضرورت تھی؟ مجھ ہی سے پوچھ لیتے۔ میں ٹھیک ٹھاک تمہارے سامنے ہوں۔''

مفرخ کی خوشی کی کوئی انتہا نہ تھی۔ اس نے مٹھو سے پوچھا کہ آخر تم تھے کہاں؟ اس کے جواب سے پہلے ہی امی بولیں۔ ''ہاشم صاحب ابھی ابھی اسے چھوڑ کے گئے ہیں۔ وہ کہہ رہے تھے کہ یہ صبح سے ان کے گھر میں تھا اور اس نے کہا تھا کہ آج سارا دن یہ یہاں ہی رہے گا۔''

''لیکن کیوں؟ یہ تو تمہیں خود ہی بہتر بتا سکتا ہے۔'' یہ کہہ کر امی کمرے سے باہر چلی گئیں۔ مفرخ یہ سن کر مٹھو سے مخاطب ہوا۔ ''ہاں مٹھو! تم نے ایسا کیوں کیا؟ میں کتنا پریشان تھا تمہارے لیے۔ اگر تمہیں کچھ ہو جاتا تو۔۔۔۔؟''

مٹھو بولا ''تمہیں مجھے پالتے ہوئے صرف دو اڑھائی سال ہوئے ہیں پھر بھی تم میرے لیے اتنے فکر مند ہو مگر تمہارے والدین جو کئی سالوں سے تمہارے ساتھ ہیں، کیا انہیں تمہاری فکر نہیں؟ آج صبح میں تمہارے پیچھے کالج آیا تھا۔ وہاں میں نے تمہاری اور بلال کی باتیں سنیں تو مجھے کافی حیرت ہوئی اور دکھ بھی۔ تب ہی میں نے فیصلہ کیا کہ میں گھر نہیں جاؤں گا۔ تمہیں سمجھانے کے لیے خود کو آزاد کروانے کی خواہش میں پہلے ہی تمہیں بتا چکا تھا لیکن تب میرا گھر سے غائب ہونے کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔ کالج میں تمہاری باتیں سن کر میں ہاشم صاحب کے گھر چلا گیا۔ وہ سب بھی مجھ سے بہت پیار کرتے ہیں، اس لیے مجھے اپنے گھر پر رکھنے میں انہیں کوئی اعتراض نہ ہوا اور میں نے خود ہی اپنے پر باغیچے میں چھوڑے تھے کیوں کہ میں جانتا تھا کہ تم جب بھی اداس ہوتے ہو، وہیں جاتے ہو۔ میں تم سب کو دکھی نہیں کرنا چاہتا تھا۔ لیکن میرے پاس تمہیں سمجھانے کا اس کے علاوہ اور کوئی طریقہ نہیں تھا، اس لیے مجھے یہ سب کرنا پڑا۔ دیکھو مفرخ! جس طرح تمہیں میری فکر ہے اسی طرح امی پاپا کو بھی تمہاری فکر ہے۔ تم انہیں بہت عزیز ہو اس لیے وہ تمہیں اس زمانے کی تمازت سے بچا کر رکھتے ہیں مگر تم ان کے جذبات کی قدر کرنے کے بجائے انہیں دکھی کرتے رہتے ہو۔ جس طرح میرے لیے گھر کے باہر خطرات ہیں اسی طرح آج کل کے حالات میں تمہارا باہر جانا بھی تو خطرے سے خالی نہیں ہے۔''

مفرخ اس کی باتیں سن کر شرمندہ سا ہو گیا اور مٹھو کو اٹھا کر پیار کرتے ہوئے بولا۔ ''تمہیں یہ ساری باتیں کس نے سکھائیں؟'' مٹھو بولا۔ ''تم بھی کمال کرتے ہو۔ بھول گئے..... مجھے یہ سب کچھ تم نے تو ہی سکھایا ہے۔''

مٹھو کی باتیں سن کر مفرخ کا سر شرم کے مارے مزید جھک گیا۔ وہ بولا، تمہارا شکریہ دوست اور سوچنے لگا کہ ہم انسان جسے اشرف المخلوقات کہا گیا ہے، ذرا سی بات کو اپنے مفاد کے لیے، اپنی عارضی خوشی سمجھ کر بھی سمجھ نہیں سکتے اور ایک پرندہ وہ اسی سوچ میں گم تھا کہ پاپا کی آواز نے اسے چونکا دیا۔ وہ کہہ رہے تھے، ہم جو بات تمہیں اتنے دنوں سے نہیں سمجھا پائے وہ مٹھو نے ایک ہی دن میں سمجھا دی۔ مفرخ فوراً کھڑا ہوا اور بولا۔ ''امی پاپا! مجھے معاف کر دیں۔'' پاپا بولے۔ ''بس تمہیں احساس ہو گیا یہی کافی ہے۔'' اور اسے گلے لگا لیا۔ امی بولیں۔ ''کل نیا سال شروع ہو گا۔ کیا تیاری نہیں کرنی؟'' مفرخ بولا۔ ''جی کیوں نہیں امی! میں کل قرآن خوانی پر اپنے تمام دوستوں کو بلا رہا ہوں تا کہ مٹھو اپنی پیاری سی توتلی زبان میں ان کو بھی سمجھا سکے۔ کیوں مٹھو؟'' مٹھو بولا۔ ''ہاں کیوں نہیں۔'' مٹھو نے سب کو نیا سال مبارک ہو کہا اور اُڑ کر مفرخ کے کندھے پر بیٹھ گیا۔

سونے کا تاج

احمد عدنان طارق

برسوں پہلے پریوں کے دیس پرستان میں ایک پری رہتی تھی جس کا نام تزئین تھا۔ آج کل وہ بہت اداس رہتی تھی۔ وہ اپنے گھر کی بالکونی کے باہر پھولوں کی بیل کے پاس بیٹھی رہتی اور کبھی کبھار بالکونی سے نیچے اِدھر اُدھر نگاہ دوڑا لیتی، وگرنہ ہر وقت سوچ میں ڈوبی رہتی۔ ''بہن کیا معاملہ ہے؟ کیوں گم سم بیٹھی ہو؟'' رنگ برنگے پروں والی ایک تتلی جو بہار کے موسم میں مزے سے اڑی جا رہی تھی، نے ننھی تزئین کو اداس دیکھ کر پوچھا۔ دو ننھے آنسو تزئین کی آنکھوں سے بہتے ہوئے اس کے گالوں پر آ کر رک گئے۔ ''بی تتلی! میں اس لیے اداس ہوں کیوں کہ جو ہنر اور خصوصیات پرستان کی دوسری پریوں میں ہیں وہ مجھ میں نہیں ہیں۔ ماریہ پری جیسے ملبوسات میں کیسے تیار کر سکتی ہوں؟ وہ تو ملکہ عالیہ کے لباس بھی سیتی ہے، اور تو اور میں تو گھاس کی تیلیوں میں شبنم کے قطرے پرو کر مالا بھی نہیں بنا سکتی۔'' تتلی نے اپنے رنگ برنگ پَر پھڑ پھڑائے اور بولی۔ ''یہ افسوس والی بات ضرور ہے مگر اس سے کیا فرق پڑتا ہے؟'' ''ارے یہی تو سب سے بڑی غم کی بات ہے کیوں کہ ہمارے بادشاہ سلامت ہر سال اپنے دربار میں ایک دن عدالت لگاتے ہیں اور ان پریوں اور پری زادوں کو موتیوں جڑے چاندی کے تاج پہناتے ہیں جو سب سے اچھا کام کرتے ہیں۔ بی تتلی! میری سب سہیلیوں کے پاس تاج ہیں مگر میں لاکھ کوشش کے باوجود ابھی تک تاج نہیں جیت سکی۔'' تزئین روہانسی ہو کر بولی۔ ''تو پھر خوش ہو جاؤ بہن! دُنیا میں بہت کچھ اچھا کرنے کو ہے۔ چاہے اس سے تاج جیتا جائے۔'' تتلی بولی اور تزئین حیرت سے دو زانو ہو کر بیٹھ کر سننے لگی۔ ''تزئین آپی! تم انسانوں کی دُنیا میں کیوں نہیں جاتی۔ جہاں تم کتنوں کی مدد کر سکو گی جنھیں واقعی مدد کی ضرورت ہے۔ دُنیا میں کرنے کو بہت کچھ ہوتا ہے۔ اگر ہم نہ بھی کر سکیں مگر کوشش ضرور کرنی چاہیے۔'' بی تتلی یہ کہہ کر پھر سے اُڑ گئی۔ ننھی تزئین پر گہرا اثر ہوا اور وہ فوراً اڑی اور ہماری تمہاری دُنیا میں آ پہنچی۔

سب سے پہلے اس کی نظر ایک بوڑھی اور نادار عورت پر پڑی جو کسی امیر آدمی کی ملازمہ تھی اور اس کے لان میں کپڑے دھو کر سکھانے کے لیے بندھی ہوئی رسی پر ڈال رہی تھی مگر تیز ہوا چل

رہی تھی اور بار بار کپڑوں کو اُڑا رہی تھی۔ امیر آدمی کی بیٹی کا فراک بہت قیمتی تھا جو عورت کے قابو میں نہیں آ رہا تھا۔ وہ بے چاری پریشان تھی کہ اگر فراک زمین پر گر پڑا تو اسے دوبارہ دھونا پڑے گا۔ تزئین ہوا میں تیرتی ہوئی فراک کے ساتھ ٹنگے ہوئے دوسرے کپڑوں پر بیٹھ گئی اور مضبوطی سے فراک کو پکڑ لیا۔ بڑھیا نے ننھی تزئین کو دیکھا تو بہت راضی ہوئی اور تزئین کو دل سے دعائیں دینے لگی اور مدد کرنے کا شکریہ ادا کیا۔

اگلے دن تزئین نے ایک ننھے بچے کو دیکھا جو دھاڑیں مار مار کر رو رہا تھا کیوں کہ اس کے غبارے تیز ہوا میں اُڑ گئے تھے اور وہ ان تک نہیں پہنچ سکتا تھا۔ تزئین بچے کے قریب پہنچی تو وہ پوری آنکھیں کھولے ننھی پری کو دیکھنے لگا۔ تزئین نے بچے کو تسلی دی اور خود ہوا میں بلند ہو گئی۔ دُور سے اسے غبارے ہوا میں تیرتے نظر آ گئے۔ وہ تیزی سے لپکی اور غباروں کے ساتھ بندھے دھاگے کو تھام لیا۔ دھاگے کے ساتھ غبارے نیچے آ گئے جو اس نے بچے کو تھما دیے۔ بچہ خوشی سے پھولا نہ سما رہا تھا۔ ''شکریہ! ننھی پری۔'' وہ توتلی زبان میں بولا مگر تزئین نے کہا ننھے اس کی ضرورت نہیں اور اُڑ گئی۔

اگلی رات تزئین کو ایک مکان سے کسی عورت کے کراہنے کی آواز آئی۔ اس نے کھڑکی سے اندر جھانکا تو ایک موٹی ادھیڑ عورت کراہ رہی تھی۔ اس کے سر میں شدید درد ہو رہا تھا۔ وہ اپنا سر پکڑے ہوئے تھی۔ تزئین کو کچھ سمجھ نہ آیا کہ وہ کیا کرے؟ مگر جب اس نے کمرے میں اِدھر اُدھر نگاہ دوڑائی تو وہ بہت گندا اور تاریک کمرہ تھا جس میں ایک ناگوار بو رچی ہوئی تھی۔ اس نے سوچا کہ کمرے میں صفائی بھی ہونی چاہیے اور اجالا بھی۔ اسے ایک ترکیب سمجھ آ گئی۔ وہ وہاں سے اُڑی اور سیدھا ایک پھولوں کی کنج میں پہنچی۔ اس نے وہاں سے خوب صورت نیلے پیلے، لال گلابی پھول چنے اور انہیں لا کر موٹی عورت کی جھولی میں پھینک دیے۔ وہ خوب صورت پھولوں کو دیکھ کر اتنا خوش ہوئی کہ اپنا سر درد بھول گئی۔ پھر اس کی نگاہ کمرے کی طرف اٹھی تو خود ہی شرمندہ ہو گئی کہ اتنے پیارے پھول سجانے کے لیے کمرے کی صفائی کتنی ضروری ہے؟ وہ فوراً اٹھی اور پھول پھولدان میں سجا کر میز پر رکھے اور کمرے کی صفائی شروع کر دی۔ اس کا سر درد بھی رفو چکر ہو چکا تھا

بلکہ اب تو وہ صفائی کرتے ہوئے کچھ گنگنا بھی رہی تھی۔

تزئین مطمئن ہو کر پرستان اپنے گھر جانے کو اُڑنے لگی۔ وہ سوچ رہی تھی کہ کل سال کا وہ دن ہے جب بادشاہ سلامت اپنا دربار لگائیں گے اور اچھے اور نیک کاموں پر پریوں میں انعام بانٹے جائیں گے۔ اسے اپنے تاج حاصل کرنے کی کوئی پرواہ نہ تھی کیوں کہ اس کے پاس کرنے کو اور بہت سے کام تھے جن کو کرنے سے اسے دلی سکون میسر آ سکتا تھا۔

اگلے دن دربار میں بادشاہ سلامت اپنی مسند پر شان سے بیٹھے تھے اور پرستان کے پری زاد، پریاں، بونے، جل پریاں دربار میں حاضر تھے۔ ایک طرف موتیوں سے جڑے چاندی کے وہ تاج پڑے تھے جو انعام حاصل کرنے والوں کو ملنے تھے۔ تزئین نے دیکھا کہ چاندی کے تاجوں کے ساتھ ایک سونے کا تاج بھی پڑا ہے جو سچے موتیوں کے بجائے بیش قیمت ہیروں سے جڑا ہے۔ تزئین نے سوچا کہ اس سال میرے کسی ساتھی نے بہت ہی اچھا کام کیا ہے جس پر اسے سونے کا تاج ملنا ہے۔

ماریہ پری اسے ملی اور پوچھنے لگی کہ کیا اسے اس دفعہ تاج ملنے کی امید ہے؟ مگر تزئین نے اس کے کان میں بتایا کہ آج کل اس کا زیادہ وقت انسانوں میں گزرتا ہے اور پرستان میں تو اس نے کوئی ایسا کام نہیں کیا جس کے صلہ میں اسے تاج سے نوازا جائے۔

تقریب کا آغاز ہوا۔ بادشاہ سلامت نے پہلے ایک چھوٹی سی تقریر فرمائی جس میں اس نے بتایا کہ وہ کتنا خوش ہے کہ اس سال بھی پریوں نے بہت اچھے کام کیے ہیں جس پر انہیں انعام سے نوازا جائے گا۔ پہلے الماس پری کا نام پکارا گیا اور اسے تاج پیش کیا گیا کیونکہ سارا سال اس نے پرستان کے کام کرنے والے بونوں کا خیال رکھا اور ان کے دکھ درد میں ان کا ساتھ دیا۔ پھر ماریہ پری کو بلوایا گیا کیوں کہ اس نے سمندر کی جل پریوں کے لیے بہت کام کیا تھا۔ اس کے علاوہ ملکہ کا اس تقریب کے لیے انتہائی دیدہ زیب لباس تیار کیا جو کہرے سے حاصل کردہ نرم و ملائم کپڑے سے بنا اور اس پر آسمان سے ننھے ننھے تارے اتار کر ٹانکے تھے۔ اس طرح تاج جیتنے والی تمام پریوں کے نام لیے گئے اور انہیں تاج پہنائے گئے۔

اب صرف سونے کا تاج بچا تھا جس میں ہیرے ٹانکے گئے تھے۔ بادشاہ سلامت نے آخر اس راز سے پردہ اٹھایا اور اعلان کیا کہ تاج اس ننھی پری کے لیے بنوایا گیا ہے جو تن تنہا انسانوں کی دُنیا میں گئی اور وہاں انتہائی خوب صورت اور نیک کام کیے۔ اسے خود بھلے اس کا اندازہ نہیں ہوا کہ وہ کتنا بہترین کام کر رہی ہے مگر حقیقت یہی ہے کہ اس نے بہت اچھے کام کیے۔ اس نے سمجھا کہ اچھا کام صرف پرستان میں کیا جائے تو ہم انعام دیتے ہیں لیکن سب کو سمجھنا چاہیے کہ اچھا کام ہمیشہ قابل ستائش ہوتا ہے خواہ وہ کسی جگہ بھی کیا جائے۔ اس ننھی پری کا نام تزئین ہے۔

اب آپ خود اندازہ لگا سکتے ہیں کہ تزئین کو اچانک کتنی بڑی خوشی نصیب ہوئی۔ بادشاہ سلامت نے تالیوں کی گونج میں تزئین کو سونے کا تاج پہنایا۔ پرستان میں اب وہ واحد پری ہے جو سونے کا تاج پہنتی ہے۔ بچو اگر اتفاق سے آپ کی نظر کسی ایسی پری پر پڑے جو سنہری تاج پہنتے ہوئے ہو تو فوراً سمجھ جانا کہ وہ تزئین ہے۔

صحت مند معدہ صحت مند جسم

اچھی صحت کا راز صحت مند معدہ پر ہوتا ہے۔ چند باتیں ذہن نشین کرلیں۔

☆ جب تک خوب بھوک لگے نہ کھائیں۔

☆ بھوک سے زیادہ نہ کھائیں۔ جب تھوڑی بھوک باقی رہے تو ہاتھ کھانے سے کھینچ لیں۔

☆ کھانا کھاتے وقت خوش وخرم رہیں۔ غذا کو اچھی طرح چبائیں۔

☆ مشروبات مٹھائیوں، چنوں، دہی بھلوں اور اچار چٹنیوں سے اور تلی ہوئی اشیاء سے پرہیز کریں۔

☆ کھانا کھانے کے بعد فوراً ورزش یا سخت کام اور دماغی کام بھی نہ کریں۔ کسی دعوت سے لوٹیں تو دو کیلے خوب چبا کر کھائیں۔ اس سے کھانا ہضم کرنے میں مدد ملتی ہے اور آنتوں کی خراش کے امکانات نہیں ہوتے۔

☆ وقت بے وقت کھانا کھانے سے معدہ کے عضلات کمزور ہو جاتے ہیں۔

بلاعنوان

اس تصویر کا اچھا سا عنوان تجویز کیجیے اور 500 روپے کی کتب لیجیے۔
عنوان بھیجنے کی آخری تاریخ 10 / جنوری 2014ء ہے۔
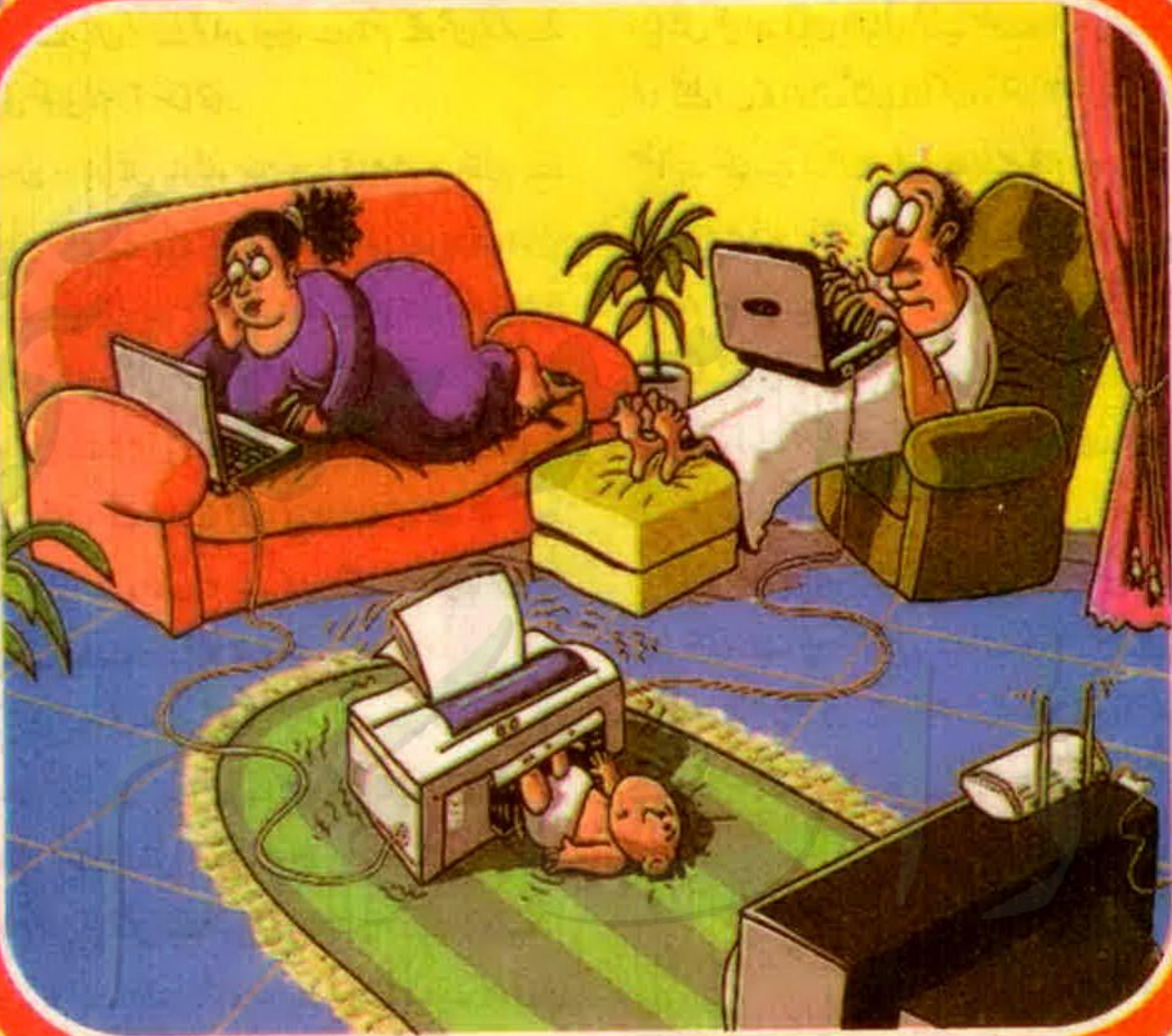
دسمبر 2013ء کے "بلاعنوان کارٹون" کے لیے جو عنوانات موصول ہوئے، اُن میں سے مجلسِ ادارت کو جو عنوانات پسند آئے، اُن عنوانات میں سے یہ ساتھی بہ ذریعہ قرعہ اندازی 500 روپے کی انعامی کتب کے حق دار قرار پائے۔

- بارش ہے اس پر مہربان، پھر بھی یہ ہے نادان۔ (اسد علی انصاری، ملتان)
- بارش میں کوئی اپنے آپ کو بچائے، کوئی اپنی حماقت دکھائے۔ (محمد عرفان، دنیا پور)
- بارش تو ہو رہی ہے ضرور، لیکن ہم ہیں عادت سے مجبور۔ (راجہ ثاقب محمود، جہلم)
- بارش تو ہلکی ہے یار، ذرا تیز ہو پانی کی دھار۔ (بخیتہ مریم، لاہور)
- دیکھو ہو رہی ہے ژالہ باری، کون سمجھائے یہ ہے عقل سے عاری۔ (ملیحہ کلیم اللہ بھٹی، لاہور)

WWW.PAKSOCIETY.COM

ہونہار مصور

مزارِ قائداعظمؒ

تصاویر صرف افقی رخ میں ہی بنائیں۔

یسریٰ جوہر، میاں والی (پہلا انعام: 175 روپے کی کتب)

زوہیب شہزاد، صادق آباد (دوسرا انعام: 150 روپے کی کتب)

انیس فاطمہ، وزیرآباد (تیسرا انعام: 125 روپے کی کتب)
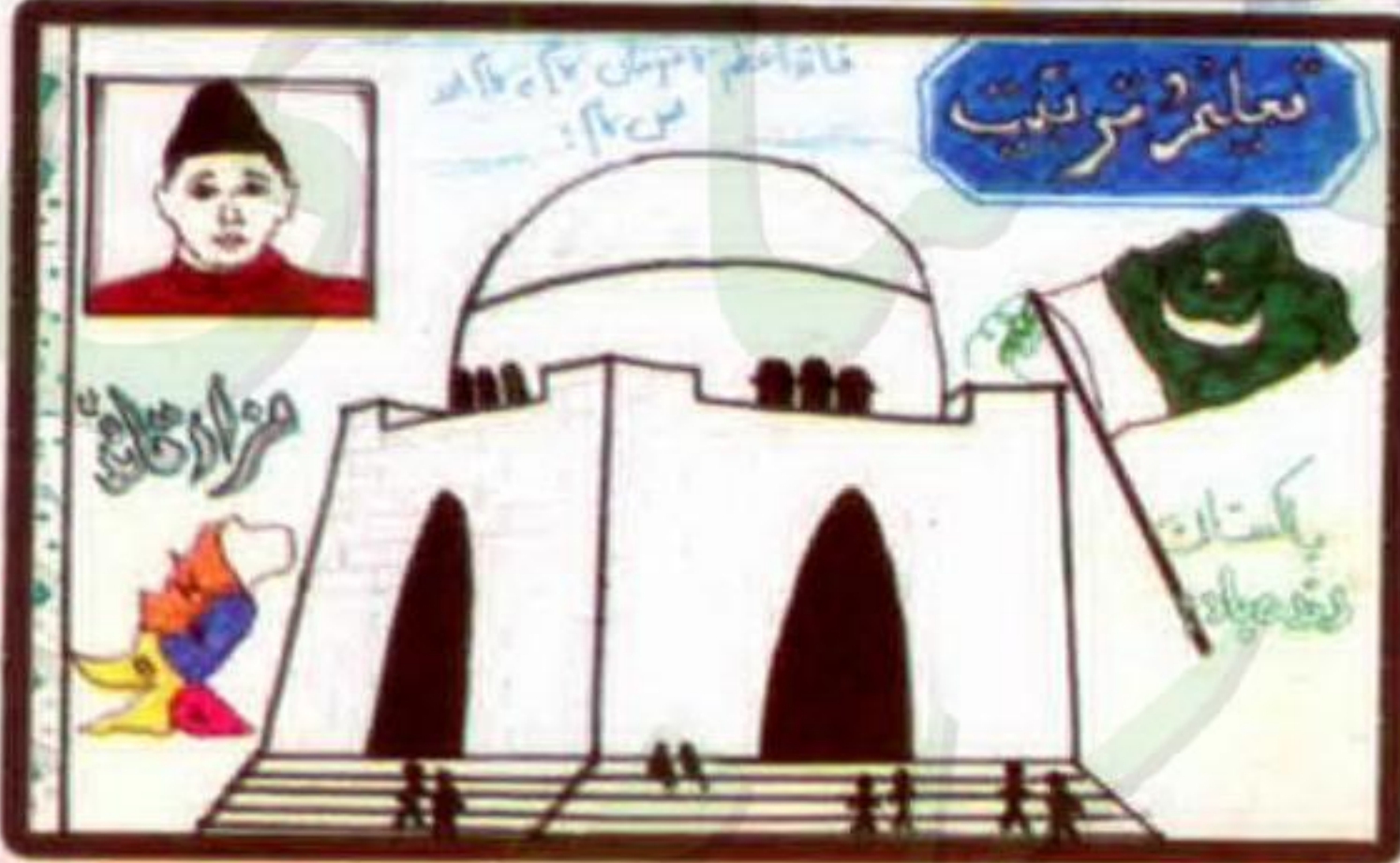
انیلہ مرجان، اسلام آباد (چوتھا انعام: 100 روپے کی کتب)

قاسم شوخ، شیخوپورہ (پانچواں انعام: 90 روپے کی کتب)

رباب پرویز، کراچی (چھٹا انعام: 75 روپے کی کتب)

کچھ اچھے مصوروں کے نام بہ ذریعہ قرعہ اندازی: حمزہ اکرم، مجیب الرحمٰن، بورے والا۔ عشرہ امین، زینب یونس، شہزادی خدیجہ، زعیم احمد، لاہور۔ مشیرہ سراج، حبہ نعیم، فصیحہ آفرین، کراچی۔ طوبیٰ مرجان، اسلام آباد۔ زونا مریم وحید اختر، گوجرانوالہ۔ ماریہ سہیل، علی عبدالباسط، اٹک۔ زین العابدین شاہ، رحیم یار خان۔ خدیجہ شیخ، ارحم طارق، عبداللہ سلطان طور، فاطمہ رحیم، راول پنڈی۔ عائشہ امجد، قصور۔ محمد حنظلہ سعید، محمد عبدالقادر لطیف، فیصل آباد۔ حمدہ قیصر، حلیم قیصر وزیر آباد۔ فضا سکندر، تحریم اسلام، نرجس بانو کاظمی، سرگودھا۔ رحما ضیاء، راول پنڈی۔ محمد ضرار نوید، گوجر خاں۔ عروبہ شہباز، کرک۔ محمد احمد رضا انصاری، کوٹ ادو۔ محمد وقار، امیر حمزہ سعید، دریا خان۔ ماریہ اعجاز، کوٹ مومن۔ محمد سجاد، اوکاڑہ۔ محمد اسامہ سعید چوہدری، عشاء سعید، ٹوبہ ٹیک سنگھ۔ زویا نوید، واہ کینٹ۔ نصیبہ ناز، منیبہ ناز، ہری پور ہزارہ۔ عائشہ مشتاق، منڈی بہاؤالدین۔ محمد عبداللہ لطیف، مریدکے۔ ☆☆

جنوری کا موضوع: روضۂ رسولؐ
آخری تاریخ 8 جنوری

فروری کا موضوع: وادیٔ کشمیر
آخری تاریخ 8 فروری

ہدایات: تصویر 6 انچ چوڑی، 9 انچ لمبی اور رنگین ہو۔ تصویر کی پشت پر مصور اپنا نام، عمر، کلاس اور پورا پتا لکھے اور سکول کے پرنسپل یا ہیڈ مسٹریس سے تصدیق کروائے کہ تصویر اسی نے بنائی ہے۔